فہرست ششماہی

ماہ جولائی ۲۰۰۷ء تا ماہ دسمبر ۲۰۰۷ء

۱۸۰ ویں جلد

(بہ ترتیب حروف تہجی)

نمبر شمار	مضمون نگار	صفحات
۱	ڈاکٹر آفاق فاخری، جلال پور، امبیڈکر نگر یوپی	۳۹۳
۲	جناب ابوالوفا صاحب مرحوم، حیدرآباد دکن	۴۷۲
۳	ڈاکٹر سید احسان الرحمان جے این یو، نئی دہلی	۲۰۴
۴	ڈاکٹر سید اختیار جعفری صاحب، خیرادی ٹولہ تاج گنج روڈ آگرہ	۱۴۲
۵	جناب مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب، مدرسہ حسین بخش جامع مسجد دہلی	۴۶۹
۶	جناب اکمل یزدانی جامعی صاحب، شیخ الحدیث لائبریری، امام نگر، میور منزل، کشن گنج بہار	۱۸۵
۷	جناب مولانا انیس الرحمان ندوی، رفیق فرقانیہ اکیڈمی، بنگلور	۵
۸	ڈاکٹر پردیپ جین، ۴۶/ بی، نئی منڈی، مظفر نگر	۳۶۹
۹	جناب ریاض الرحمان خاں	۴۹
	شیروانی صاحب، حبیب منزل، میرس روڈ، علی گڑھ	
۱۰	ڈاکٹر شمس بدایونی، نیو آزاد پورم کالونی، چھاؤنی اشرف خاں، عزت نگر، بریلی	۲۸۸
۱۱	ضیاء الدین اصلاحی	۲، ۸۲، ۱۶۲، ۲۳۲، ۲۳۵، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۲، ۳۲۵، ۴۰۲
۱۲	پروفیسر عبدالحق، وزیٹنگ افسر، جواہر لال نہرو یونی ورسٹی، نئی دہلی	۴۶۰
۱۳	جناب غلام نبی کشافی صاحب	۲۷۱
۱۴	جناب فیضان احمد صاحب عبدالحلیم لین کولکتہ	۱۵۲
۱۵	کلیم صفات اصلاحی صاحب	۵۷، ۱۴۹، ۲۳۴،
	رفیق دارالمصنفین	۳۰۶، ۳۸۴، ۴۱۹، ۴۶۶
۱۶	ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب	۱۱۶

مجلس ادارت

نذیر احمد، علی گڈھ — ۲۔ مولانا سید محمد رابع ندوی، لکھنؤ

فوظ الکریم معصومی، کلکتہ — ۴۔ پروفیسر مختار الدین احمد، علی گڈھ

۵۔ ضیاء الدین اصلاحی (مرتب)

معارف کا زر تعاون

ن میں سالانہ ۱۵۰/روپے۔ فی شمارہ ۱۵/روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۰۰/روپے

یں سالانہ ۲۵۰/روپے — رجسٹرڈ ڈاک ۴۰۰/روپے

ں میں سالانہ ۵۰۰/روپے — رجسٹرڈ ڈاک ۷۰۰/روپے

ں: (ہندوستانی روپے کے حساب سے رقم قبول کی جائے گی۔)

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:

۲۷ اے، مال گودام روڈ، لوہا مارکیٹ، بادامی باغ، لاہور، پنجاب (پاکستان)

Mobile: 3004682752 ----- Phone: (009242) 7280916

ی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZ

ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ تک رسالہ نہ

ں کی اطلاع اسی ماہ کی آخری تاریخ تک دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی

ں کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

تے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

سی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

ر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

نمبر شمار	مضمون نگار	صفحات
	نوبراولہ، لداخ	
۲۶	حافظ محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی، رفیق دارالمصنفین	۲۳۵،۷۲،۵۲، ۴۰۵،۳۹۴، ۴۷۵
۲۷	جناب محمد معتصم عباسی آزاد، جی ر ۴۷، سفینہ اپارٹمنٹ میڈیکل کالج روڈ، علی گڑھ	۶۰،۴۰
۲۸	پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل، ادارۂ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ	۱۶۵،۸۵، ۳۸۰
۲۹	ڈاکٹر محمد یوسف خاں، شعبہ عربی مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ	۳۰۱
۳۰	پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف صدر شعبہ اردو، دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور	۳۸۷

فہرست ششماہی

ماہ جولائی ۲۰۰۷ء تا ماہ دسمبر ۲۰۰۷ء

۱۸۰ ویں جلد

(بہ ترتیب حروف تہجی)

نمبر شمار	مضمون	صفحات
	شذرات	۲،۴۲،۱۶۲، ۲۴۲،۳۲۲،۴۰۲
	مقالات	
۱	ادبی ترجمہ	۲۰۴
۲	اسلامی مدارس کے نصاب کا مسئلہ علامہ شبلی نعمانی کے حوالے سے	۴۹
۳	اندلس کے نامور محدث بقی بن مخلد	۱۷
۴	اندلس میں موطا کی ترویج اور مقبولیت کے اسباب	۳۵۴
۵	تفسیر ماجدی اور سائنسی مباحث	۴۰۵
۶	تیموری شہزادیوں کا علمی و شعری ذوق	۱۲۸
۷	جغرافیہ کے اسلامی تصورات قرآن حدیث اور علم شکل ارض کی روشنی میں	۵
۸	حضرت ثویبہؓ۔ رسول اکرمؐ کی رضاعی ماں	۱۶۵،۸۵
۹	حضرت ثویبہؓ کا اسم گرامی معنی و مفہوم	۳۸۰
۱۰	حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا زمانہ ورود ہند (تاریخ کے آئینے میں)	۴۰
۱۱	حضرت شاہ نعمت اللہ فیروز پوری مالدھی	۱۸۵
۱۲	خان آرزو کی تنقید نگاری	۲۱۸
۱۳	دیانا تھ وفا اور مثنوی داغ دل	۱۶۱
۱۴	شریعت اسلامی کا نزول مکہ میں نہیں مدینہ میں ہوا	۲۷۱
۱۵	صاحبان قلم علمائے اکبرآباد	۱۴۲
۱۶	عراق	۴۱۹
۱۷	علامہ شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی اور رام پور	۱۹۴
۱۸	غالب کے فارسی قطعات کی تاریخی اہمیت	۴۴۱
۱۹	قدیم عربی نثر	۳۰۱
۲۰	کلام حاتم اور ڈاکٹر اکبر حیدری کی تحقیق و تحریف	۴۶۰
۲۱	کویت کی ایک خاتون ادیبہ لیلیٰ العثمان	۲۲۷
۲۲	منشی پریم چند کے خطوط اور	۳۶۹

جلد ۱۸۰ ماہ جمادی الآخر ۱۴۲۸ھ مطابق ماہ جولائی ۲۰۰۷ء عدد ۱

فہرست مضامین

DARUL MUSANNIFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH U.P.

شذرات — ضیاء الدین اصلاحی — ۳

مقالات

جغرافیہ کے اسلامی تصورات — جناب مولانا انیس الرحمٰن ندوی — ۵-۱۶
قرآن، حدیث اور علم شکل ارض کی روشنی

اندلس کے نامور محدث: بقی بن مخلد — جناب محمد احمد زبیری — ۱۷-۳۹

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا زمانہ — جناب محمد معتصم عباسی آزاد — ۴۰-۴۸
ورود ہند (تاریخ کے آئینے میں)

اسلامی مدارس کے نصاب کا مسئلہ — جناب ریاض الرحمان خاں شروانی — ۴۹-۵۶
علامہ شبلی نعمانی کے حوالے سے

اخبار علمیہ — ک، ص اصلاحی — ۵۷-۵۹

معارف کی ڈاک

دارالمصنفین کی دو نئی کتابیں — جناب محمد معتصم عباسی آزاد — ۶۰-۶۱

لداخی مسافر اور ہندوستان کے تعلیمی مراکز — جناب محمد عمر ندوی صاحب — ۶۲-۶۸

جامع معمر یا جامع عبدالرزاق؟ — ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی — ۶۸-۷۱

مطبوعات جدیدہ — ع-ص — ۷۲-۸۰

ای میل: email : shibli_academy@rediffmail.com

ویب سائٹ: www.shibliacademy.org

نمبر شمار	مضمون	صفحات
	آثار علمیہ و تاریخیہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نام اہل علم کے خطوط	۴۷۲
	ادبیات	
	غزل	۳۹۳
	مطبوعات جدیدہ	۷۲، ۱۵۳، ۲۳۵، ۳۱۸، ۳۹۴، ۴۷۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

وں میں تو اختلافات ہوتے ہی ہیں لیکن ایک ہی قوم، کے درمیان بھی اختلافات ہوتے ہیں، اول الذکر قسم سری قوم و مذہب والوں کو زیر کرنے کی تاک میں رہتے پر حاوی اور غالب ہو جاتی ہے لیکن جب ایک ہی قوم و ہوتا ہے تو گو وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کو پسپا اور تاہم جب ان پر کسی دوسری قوم وملت اور مذہب کے ے متخالف گروہ مل کر حملہ آوروں کو مغلوب کرنے میں تے اور گروہ نہیں ہیں؟ لیکن ان کے گروہی اختلافات مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں جو انہیں نیست و نابود کر دینا کے بجائے آپس ہی میں دست و گریباں رہتے ہیں، زش اور مغرب کی پرفریب ڈپلومیسی اور عیارانہ سیاست ں ریاست کے قیام کے امکان کو بعید تر کر دیا، افغانستان ہندوستان میں فرقہ پرست مسلمانوں کے اختلافات کو ئے ہیں۔

ق اب کشمکش میں فکر کسے آشیاں کی ہے

سلام کے احکام و ہدایات کی مکلف عورتیں بھی بنائی گئی دین کی واقفیت اور علم دین کی تحصیل ضروری ہے لیکن ور مردوں سے کم تر سمجھا جاتا رہا ہے، اس لئے ان کی گئی، اس کے اثرات یہاں کے مسلمانوں پر بھی پڑے م رہیں لیکن اب حالات تبدیل ہوئے ہیں اور بچوں کی

طرح بچیوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی ہو رہا ہے بلکہ ان کی اقامتی درس گاہیں بھی قائم کی جانے لگی ہیں لیکن بچیوں کے اقامتی مدرسوں یا ان کی مخلوط تعلیم کی قباحتیں اور خرابیاں وقتاً فوقتاً سامنے آرہی ہیں، ان سے لوگوں کو چوکنا رہنا بہت ضروری ہے، چند ماہ پہلے جامعۃ الصالحات الہ آباد کی طالبات کی جو رسوائی اور بے عزتی ہوئی اس کا کوئی مداوا اب تک نہیں ہوا، جامعہ کے منتظمین کی کوتاہی اور غفلت یہ تھی کہ انہوں نے شہر سے دور ویرانے میں مدرسہ قائم کیا جس کی نہ عمارت مستحکم، نہ دروازے مضبوط اور نہ دربان تندرست اور توانا، اسی لئے شرپسند اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہوئے، ہمارا مقصد اقامتی مدرسوں کی مخالفت نہیں بلکہ ان کے ذمہ داروں کو محتاط اور چوکنا کرنا ہے کیوں کہ وہ امانت میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

پہلے حج کا سفر کتنا زحمت طلب اور پر مشقت ہوتا تھا، اس کا تصور بھی اب نہیں کیا جاسکتا، سعودی حکومت کے قیام کے بعد راستے پر امن اور سفر حج میں آسانیاں ہونے لگیں جن میں سال بہ سال برابر اضافہ ہو رہا ہے، ۱۹۷۳ء میں راقم کے والدین حج بیت اللہ کو گئے تھے تو میں انہیں بمبئی تک چھوڑنے گیا تھا، کیوں کہ اس وقت عازمین حج وہیں سے سمندری جہاز پر سوار ہوتے تھے اور آج کل کے مقابلے میں خاصی زحمتیں ہوتی تھیں جن کا احساس ہمارے بعض عزیزوں اور احباب کی وجہ سے ہمیں نہیں ہوا، ۱۹۹۲ء میں مجھ کو جب یہ سعادت میسر آئی تو بمبئی کے بجائے دہلی سے ہوائی جہاز روانہ ہوا اور ۱۹۷۳ء سے کہیں زیادہ آسانیاں نظر آئیں، ادھر چند برسوں سے اعظم گڈھ وغیرہ کے لوگوں کو ہوائی جہاز لکھنؤ ہی سے لے جا رہا تھا کہ اب اس سال یہ خوش آیند خبر آئی ہے کہ ۲۰۰۷ء میں اتر پردیش کے مشرقی اضلاع کے عازمین حج بنارس کے ہوائی اڈے سے جدہ کے لئے روانہ ہوں گے، اس کے لئے ہم یو، پی، اے کی چیئر پرسن مسز سونیا گاندھی اور وزیر اعظم مسٹر منموہن سنگھ کے تو شکر گزار ہیں ہی لیکن اپنے علاقے کے خادم الحجاج اور مرکزی حج کمیٹی کے سرگرم رکن حافظ نوشاد اعظمی کے خاص طور پر تہہ دل سے ممنون ہیں کیوں کہ یہ سہولت ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

حال ہی میں ڈاکٹر علی جاوید کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی کا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا ہے، ہم انہیں مبارک باد دیتے ہیں، وہ ایک فعال اور متحرک شخص ہیں ان سے ہم کو بجا طور پر

کے لئے پوری جدوجہد کریں گے اور اس کے ساتھ ہونے والی
دو کی موجودہ انجمنوں اور تحریکوں کی بے عملی اور تعطل اور اردو
لک میں اس کا جو بدتر حال ہوا ہے، اس کے متعلق انہوں نے
کے تحفظ، بقا اور ترویج واشاعت کے لئے خود اردو والوں کو
تعلق شمالی ہند اور خاص اتر پردیش سے ہے، اس لئے یہاں
زیادہ سوہان روح ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس صورت حال
سلہ میں اپنا محاسبہ کریں، ان کے خیال میں اتر پردیش، بہار،
م مسائل کو حل کرنے کے لئے ہمیں ایک مشن اور تحریک کے
ڈاکٹر صاحب کا تقرر اردو کے لئے ایک نیک فال ہے، کاش
میں نئی روح پھونک دیں۔

آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی حیدرآباد کا پہلا کانوکیشن ہوا تھا اور
ء کو ہوا، ان کے دعوت نامے گو خاکسار کو بھی ملے تھے مگر وہ
خطبہ مہمان خصوصی مرکزی وزیر فروغ انسانی وسائل جناب
ی لٹ کی اعزازی ڈگری بھی تفویض کی گئی، یونی ورسٹی کے
تحصیل طلبا کو اسناد عطا کیے جانے کے علاوہ ہریانہ کے گورنر
سل برائے فروغ اردو کے نائب صدر جناب شمس الرحمان
بھی پیش کی گئیں جس کے یہ دونوں حضرات واقعی مستحق تھے،
ی جانب سے مبارک باد دیتے ہیں، یونی ورسٹی کے انچارج
ت علی راشد کے تازہ مکتوب سے معلوم ہوا کہ تعلیمی سال
ن کے تحت ایم ایڈ، بی ایڈ اور ڈی ایڈ کے علاوہ دس پوسٹ
بھی شامل ہیں، داخلوں کا اعلان کیا گیا ہے، مزید تفصیلات
www.manu یا فون نمبرس 15-23006612 سے

☆☆☆☆☆

مقالات

جغرافیہ کے اسلامی تصورات

قرآن، حدیث اور علم شکل ارض کی روشنی

از:- جناب مولانا انیس الرحمٰن ندوی☆

کرۂ ارض پر خشکی اور سمندر کا تناسب کتنا ہے؟ اس کے متعلق زمانۂ قدیم (ماقبل اسلام) کے جغرافیائی لٹریچر میں کوئی واضح تصور نہیں ملتا، زمین کے متعلق اہل یونان میں مقبول ترین نظریہ یہ رہا کہ زمین گول نہیں بلکہ چپٹی ہے، لہذا یوروپ میں پندرہویں صدی کے اختتام تک یہی نظریہ رائج رہا، پانچویں صدی عیسوی کے ہندوستانی ماہر فلکیات آریہ بھٹ نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین گول ہے اور اس کے تخمینہ کے مطابق کرۂ ارض پر سمندر اور زمین کا تناسب نصف نصف ہے (۱) مگر یہاں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ کرۂ ارض کو چوں کہ اس دور میں نہ مکمل طور پر دریافت کیا گیا تھا اور نہ اس کے جغرافیائی خصوصیات کی مکمل نوعیت جانی گئی تھی، اس لئے اس سلسلے کے تمام بیانات ظن وتخمین اور خیال آرائی کے دائرے میں آتے ہیں۔

کرۂ ارض پر خشکی اور سمندر کا تناسب: اس سلسلے میں بعض احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں کرۂ ارض اور اس کے جغرافیا کے متعلق انتہائی دقیق معلومات موجود ہیں، ان احادیث کا مفہوم بہ ظاہر جغرافیا کے حقائق سے متصادم نظر آتا ہے مگر علم جغرافیا اور اس سے متعلقہ علوم کے جدید اکتشافات کے تطبیقی مطالعہ سے ان احادیث کی صداقت نہ صرف حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوتی ہے بلکہ اس سے کرۂ ارض کی جیولوجیائی تاریخ کے کئی اہم ترین پہلو بھی سامنے آتے ہیں، ان احادیث میں سے ایک حدیث جس کی تخریج حضرت ابوالشیخ بن حیان (م ۳۶۹ھ) نے کی

☆رفیق فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ، بنگلور ۲۹۔

سان بن عطیه قال بلغنی أن مسیرة
ورها منها ثلاث مائة سنة و الخراب منها
برة مائة سنة ۔(۲)

سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مجھ تک یہ بات
کی ہے، جس میں سمندروں کی مسافت تین سوسال ہے،
ہے جب کہ آباد منطقہ کی مسافت سوسال کی ہے"۔

ب ذیل ہے:

ن أبی حاتم عن حسان بن عطیة رضی الله
مس مائة سنة ، البحار ثلاث مائة و مائة

ن بن عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: زمین
ہے، سمندر کی مسافت تین سوسال، خراب کی سوسال اور

ث کی تخریج ابن ابی حاتم نے کی ہے:

م عن عبد الله بن عمرو قال : الدنیا مسیرة
اب و مائة عمران ۔(۴)

رو سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: زمین کی مسافت
مسافت خراب اور ایک سوسال کی مسافت آباد ہے"۔

ظ سے معلوم ہورہا ہے کہ ان میں "مسافت" کا لفظ
ہے، لہذا پہلی دو احادیث میں بتایا جارہا ہے کہ کرۂ ارض پر
/۳ حصہ ہے جب کہ اس کا بقیہ ۵/۲ حصہ خشکی پر مشتمل
نی ۵/۱ خراب (غیر آباد) ہے اور بقیہ نصف ۵/۱ حصہ

آباد (عمران) ہے، اسی طرح تیسری حدیث میں بتایا جارہا ہے کہ کرۂ ارض کا خراب حصہ ۵/۴ ہے جبکہ آباد حصہ ۵/۱ ہے۔

آیئے اب جدید جغرافیائی تصورات وتحقیقات کی روشنی میں ان احادیث کی معنویت کو سمجھنے کی کوشش کریں، اس سلسلے میں پہلے پہلی حدیث پر بحث کی جائے گی، لہذا جدید تحقیقات کے مطابق کرۂ ارض پر سمندروں کا تناسب ۷۰،۸ فیصد ہے جب کہ خشکی کا تناسب ۲۹،۲ فیصد ہے، یعنی کہ ان کی رو سے کرۂ ارض پر تقریباً سات حصہ پانی ہے جب کہ تین حصہ خشکی ہے۔

یہاں حدیث شریف اور علم جغرافیا کی جدید تحقیقات میں بہ ظاہر تضاد نظر آرہا ہے یعنی کہ احادیث میں پانی اور خشکی کا تناسب ۳:۲ بتایا گیا جب کہ علم جغرافیا کے مطابق ان کا تناسب ۷:۳ ہے مگر اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں مفاہیم اپنی اپنی جگہ درست ہیں، کیوں کہ جغرافیائی اعداد وشمار خشکی اور پانی کے موجودہ تناسب کو بتارہے ہیں جب کہ حدیث میں خشکی اور پانی کے حقیقی حدود کی نشان دہی کی جارہی ہے، اس بحث کو سمجھنے کے لئے بحریات oceanography کے بعض مباحث کو مدنظر رکھنا ضروری ہوگا جو حسب ذیل ہیں:

براعظمی حاشیہ Continental Margins: جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق خشکی اور سمندر کا موجودہ تناسب سمندر اور خشکی کے حقیقی حدود کی نشان دہی نہیں کرتا، کیوں کہ آج خشکی کا بڑا حصہ سمندر میں ڈوبا ہوا ہے جس کے کئی اسباب ووجوہ ہیں، ان پر بحث اس مضمون میں آگے ملاحظہ ہو، سمندروں میں خشکی کے اس ڈوبے ہوئے حصہ کو براعظمی حاشیہ کہا جاتا ہے، اس براعظمی حاشیہ کو سائنس داں تین حصوں میں بانٹتے ہیں:

۱- براعظمی فرش/تہہ continental shelf۔ ۲- براعظمی ڈھلان continental slope۔ ۳- براعظمی ابھار continental rise۔

براعظمی فرش: براعظمی فرش دراصل موجودہ براعظمی فرش کے حدود اصلی کی نشان دہی کرتے ہیں یعنی کہ براعظموں کا وہ حصہ جو سمندروں میں غرقاب ہوچکا ہے، اس حصہ کے اختتام پر براعظمی زمین میں کھائی کی طرح ڈھلان شروع ہوجاتا ہے، یہ موجودہ سمندری ساحل سے اوسطاً ۵۰ تا ۱۰۰ کلومیٹر (۳۰ تا ۶۰ میل) چوڑا ہوتا ہے، کہیں کہیں اس کی چوڑائی ۱۵۰۰

باہری کنارے outer edge تک اس کی گہرائی
فرش سمندری فرش sea floor کے کل رقبے کے
یعنی کہ موجودہ کل سمندری حصہ (۷۰،۸) کا ۷،۵
سرا ایک اور شکل نمبر ۲۔

نقطہ اختتام جسے shelf break بھی کہا جاتا ہے،
ع ہو جاتا ہے، یہاں ڈھلان کا انحناء براعظمی فرش
ہے، براعظمی حاشیہ کے اس حصہ کو براعظمی ڈھلان کہا
راعظمی فرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، براعظمی ڈھلان
حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔(۶)

یسرا حصہ براعظمی ابھار ہے جو سمندر اور براعظموں
رش کے کل رقبہ کے ۳ فیصدی حصے کو گھیرے ہوئے
ے اس معنی میں مختلف ہے کہ براعظمی فرش اور براعظمی
continen پر واقع ہیں جب کہ براعظمی ابھار کا بیشتر
اقع ہے یعنی کہ براعظمی ابھار کا زیادہ تر حصہ سمندری
لمی ابھار دراصل سمندری حصہ شمار کیا جاتا ہے، یہ
کل میں ہے جو بڑ دگی erosion کے عمل کے بعد
کل نمبر-۱۔

continen: سمندر اور براعظم کے حقیقی حدود

چوں کہ براعظمی تختی اور براعظمی ڈھلان ہی براعظمی حصہ شمار کیا جاتا ہے اور ان دونوں کا تناسب سمندری فرش کے کل رقبہ کا ۱۶ فیصد ہوتا ہے یعنی (7.5+8.5 = 16)، لہذا یہ رقبہ کرۂ ارض کے کل رقبہ کا ۳،۱۱ فیصد ہوتا ہے جس کا حسابی فارمولا حسب ذیل ہے:

(70.8 x 16) / 100 = 11.32

اب کرۂ ارض کی موجودہ خشکی کے تناسب میں اس تناسب کو جوڑ دینے سے اس کی شکل یہ بنتی ہے:

29.2 + 11.3 = 40.5

یعنی کہ کرۂ ارض پر خشکی کا کل رقبہ 40.5 فیصد ہے جس میں 29.2 فیصد حصہ سطح سمندر کے اوپر ہے اور 11.3 فیصد حصہ زیر آب ہے، لہذا اب خشکی کے زیر آب حصہ کے تناسب کو سمندری حصہ کے تناسب سے گھٹا دیا جائے (کیوں کہ سمندر کے موجودہ حصہ میں خشکی کا یہ ڈوبا ہوا حصہ بھی شامل ہے) تو سمندری بیسن ocean basin کے حصہ کا حقیقی تناسب یہ بنتا ہے:

70.8 - 11.3 = 59.5

اس طرح کرۂ ارض پر اب خشکی کے حصہ کا حقیقی رقبہ اس کے کل رقبے کا ۴۰،۵ فیصد ہوا جس کا تناسب تقریباً ۲/۵ ہوتا ہے اور سمندری حصہ کا رقبہ اس کے کل رقبہ کا ۵۹،۵ فیصد ہوا جس کا تناسب تقریباً ۳/۵ ہوتا ہے، لہذا یہ تناسب حدیث شریف میں مذکور خشکی اور سمندری کے تناسب ۲:۳ کے بالکل عین مطابق ہوا، اس کی مزید تفصیلات لفظ ''عمران'' اور ''خراب'' کے تحت آگے ملاحظہ ہو۔

خشکی کے حقیقی حدود اور سمندر میں اتار چڑھاؤ کے اسباب: کرہ ارض کے ماضی میں جب سطح سمندر اس کی موجودہ سطح سے نیچے تھی، اس وقت براعظمی فرش کا بڑا حصہ جو اب زیر آب ہے، سطح سمندر کے اوپر نمودار تھا، سطح سمندر میں اس تفاوت کی ایک اہم وجہ براعظمی برفانیت continental glaciation ہے، یعنی کہ ماضی میں جب کرۂ ارض کا درجہ حرارت کم تھا، اس وقت سمندری پانی برفانی چٹانوں glaciers اور برفانی چادروں ice sheets کی شکل میں اکثر براعظمی فرش کو ڈھانکے ہوئے تھا، جس کی وجہ سے سمندری سطح اس کی موجودہ سطح سے

Continental glaciation has bee
fluctuation, creating a rise and fa
present-day sea level.(۷)

تفاوت کا ایک بڑا سبب رہا ہے جس کی وجہ سے
یٹ) کی کمی اور زیادتی واقع ہوتی رہی ہے''۔
نیچے تھی اس وقت براعظمی رقبہ اپنے موجودہ رقبے سے
رح ماضی بعید میں کرۂ ارض بعض ایسے ادوار (مثلاً
) سے بھی گزرا ہے جب کہ کرۂ ارض کی برفانی چٹانوں
ح سمندر اس قدر اونچی تھی کہ موجودہ براعظموں کا
کرۂ ارض کی تاریخ کے وہ ادوار جب کہ براعظموں پر
سمندری سطح کافی نیچے تھی ان کو برفانی ادوار glacial
طرح وہ ادوار جن میں براعظموں کی برف پگھلنے کی
ن کو بین برفانی ادوار interglacial periods کہا
قہ وقفہ سے برابر آتے رہے ہیں (۹)، لہذا زیر بحث
ے تعین کے ساتھ ساتھ کرۂ ارض پر گزرے ان برفانی
ے سطح سمندر میں تفاوت دونوں کی طرف انتہائی

سمندر اور خشکی کے تناسب (۳:۲) کے بعد حدیث
د (خراب) حصہ کا تناسب بیان کیا گیا ہے کہ زمین
ا ہے، یعنی کہ کرۂ ارض کی خشکی کا نصف حصہ آباد اور
رۂ ارض کے خشکی کے علاقے کی یہ تقسیم بھی کافی اہم
ں مذکور معانی و مطالب کے بے پناہ اسرار و رموز کی

تصدیق کر رہی ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سب سے پہلے اس حدیث میں مذکور الفاظ ''خراب'' اور ''عمران'' کے لغوی معانی سمجھ لینا ضروری ہیں، لغت کی رو سے یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں، لفظ ''عمران'' عمر، یعمُر سے مشتق ہے جو کسی شئی میں زندگی کے وجود پر دلالت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اسی سے مشتق لفظ ''عمر'' ہے جس کا مطلب ہے مدت حیات یعنی کہ کسی بدن میں روح کے باقی اور آباد رہنے کی مدت اور اس کا وقفہ (۱۰) اور عمران آبادی سے معمور منطقہ اور علاقہ کے لئے بولا جاتا ہے، لہذا یہاں عمران سے مراد کرۂ ارض کی خشکی کا وہ علاقہ ہوا جو نباتاتی زندگی کا متحمل اور اس سے معمور ہو، کیوں کہ حیوانات ہی کی طرح نباتات بھی زندگی سے متصف انواع حیات ہیں، لفظ ''خراب'' عمران کی ضد ہے جس کے معنی غیر آباد، برباد، بے جان اور بنجر کے ہیں، یعنی کرۂ ارض کی خشکی کا وہ منطقہ جو نباتاتی زندگی کے لئے موزوں یا اہل نہ ہو، قرآن مجید میں بھی جگہ جگہ نباتات سے آباد سرسبز و شاداب زمین کو زندہ اور نا قابل کاشت اور بنجر زمین کو مردہ قرار دیا گیا ہے۔

اس نقطہ نظر سے کرۂ ارض کی خشکی کے علاقے (براعظمی حصہ) کا سائنسی مطالعہ کیا جائے تو کرۂ ارض کے غیر آباد حصہ کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے، جس کی تقسیم اس طرح ہوگی:

۱-خراب بوجہ غرقابی (زیادتی سمندری سطح)۔

۲-خراب بوجہ براعظمی برفانیت۔

۳-خراب بوجہ صحرا اور ریگستان۔

۱-خراب بوجہ غرقابی: جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ براعظموں (خشکی) کے حقیقی حدود ان حدود سے کہیں زیادہ وسیع ہیں جو آج ہمیں سطح سمندر کے اوپر نظر آرہے ہیں، براعظمی منطقے میں اس کمی کی وجہ کرۂ ارض کی برفانی چٹانوں کے پگھلنے کی وجہ سے سطح سمندر میں زیادتی ہے، لہذا جدید تخمینے کے مطابق براعظموں کے اس غرقاب حصہ کا تناسب کرۂ ارض کے کل رقبہ کا ۱۱،۳ فیصدی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس اعتبار سے کل خشکی کا تقریباً تین چوتھائی حصہ (۲۹،۲ فیصد) موجودہ سطح سمندر کے اوپر ہے جب کہ بقیہ ایک چوتھائی حصہ

جہ سے خراب یا برباد ہے، ملاحظہ ہو شکل نمبر ۲: براعظمی

(cont) سمندروں میں ڈوبا ہوا براعظمی حصہ۔ واضح رہے کہ اس
نمائندگی کر رہا ہے، براعظمی ڈھلان کو اس میں نہیں دکھایا گیا ہے۔
شیانوگرافی، اناگمانشن، ویلیس)

تیت: براعظمی حصہ کے ناقابل آباد یا برباد ہونے کی
تنی وہ برفانی چادریں ہیں جو خشکی کے بڑے حصے کو پوری
ہذا قطب جنوبی میں واقع براعظم انٹارٹکا اور قطب شمالی
رف سے ڈھکے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے یہاں نباتاتی
اعظموں پر برفانی چادروں کی اوسط موٹائی ۲ تا ۴ کلومیٹر
ہے جب کہ گرین لینڈ کا ۵ ر ۴ حصہ برف سے ڈھکا ہوا
تقل انسانی آبادی مفقود ہے جب کہ گرین لینڈ کے بقیہ
وٹی آبادیاں پائی جاتی ہیں، کرۂ ارض پر موجودہ براعظمی
وا انٹارٹکا، گرین لینڈ اور دوسرے براعظمی گلیشئرز گھیرے

ہوئے ہیں (۱۱)، جس کی وجہ سے خشکی کا یہ حصہ نباتاتی زندگی کے لئے خراب یا بنجر شمار کیا جاتا ہے، یہ رقبہ کل کرۂ ارض کے رقبے کا ۲۱، ۳ فیصد (3.21 = 100 / (11 x 29.2)) ہوتا ہے، ملاحظہ ہو شکل نمبر ۳: انٹارٹکا اور گرین لینڈ کی برفانی چادریں۔

(ب) گرین لینڈ (الف) انٹارٹکا

شکل ۳: انٹارٹکا اور گرین لینڈ کی برفانی چادریں جو ان دونوں براعظموں کو مکمل طور پر ڈھانپی ہوئی ہیں۔ یہ کرۂ ارض کی موجودہ خشکی کے تقریباً ۹/۱ حصہ کو گھیری ہوئی ہیں۔ (ماخذ: ناسا)

۳-خراب بوجہ صحرا اور ریگستان: براعظموں کا تیسرا منطقہ جو خراب کے زمرہ میں آتا ہے وہ کرۂ ارض کا ریگستانی منطقہ ہے، دنیا کے اکثر ریگستان نیم منطقہ حارہ subtropical regions میں واقع ہونے کی وجہ سے انتہائی گرم اور بنجر علاقے شمار کئے جاتے ہیں، یہاں بارش انتہائی کم یا نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، لہذا یہ علاقے نباتاتی اور حیوانی زندگی کی بقا کے متحمل نہیں ہوتے بلکہ جو لوگ ریگستان میں رہتے ہیں ان کو یہاں کے سخت گرم اور سوکھے موسم کا عادی ہونا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح ریگستان میں پانی کی قلت کی وجہ سے بھی یہاں نباتاتی زندگی تقریباً معدوم ہے۔

جدید تخمینوں کے مطابق کرۂ ارض کے تمام ریگستان موجودہ خشکی کے تقریباً ۷ ر ۱ حصہ کو گھیرے ہوئے ہیں یعنی کہ کل خشکی کا ایک ساتواں حصہ ریگستانوں پر مشتمل ہے (۱۲) اور یہ رقبہ کرۂ ارض کے کل رقبہ کا ۱۷، ۴ فیصد (4.17 = 7 / 29.2) ہوا، ملاحظہ ہو شکل نمبر ۴ کرۂ ارض ریگستان۔

شکی کے ۱/۵ حصہ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ (ماخذ: یو۔ایس، جیولوجیکل سروے)

ندر اور خشکی اور پھر خشکی کے آباد اور خراب حصہ پر جو بحث کی

یر ا میں ملاحظہ ہو:

	رقبہ (ہزار مربع کلومیٹر تقریباً)	تناسب (فیصد)
	509,700,000	100 %
	361,300,000	70.8 %
	148,400,000	29.2 %
اور	303,271,500	59.5 %
اور	206,428,500	40.5 %
	57,698,040	11.32 %
انیت	16,361,370	3.21 %
	21,254,490	4.17 %
	95,313,900	18.70 %
	111,114.600	21.80 %

کے خشکی اور سمندر اور آباد اور خراب منطقہ کا تناسب

جیسا کہ مذکورۂ بالا جدول سے معلوم ہو رہا ہے کہ سمندر کرۂ ارض کے کل رقبے کے تقریباً ۶۰ فیصدی (۳/۵) حصہ کو گھیرے ہوئے ہے جب کہ خشکی تقریباً ۴۰ فیصدی حصہ (۲/۵) پر محیط ہے، اسی طرح خشکی کا تقریباً نصف حصہ خراب یا بنجر شمار کیا جاتا ہے جس کا تناسب کرۂ ارض کے کل رقبہ کا تقریباً ۱/۵ حصہ ہے، جب کہ خشکی کا مزید نصف حصہ (۲۲ فیصد) آباد شمار کیا جاتا ہے جو کرۂ ارض کے کل رقبہ کا تقریباً ۱/۵ ہوتا ہے، اس طرح یہ اعداد و شمار حدیث میں مذکور حقائق سے مکمل طور پر مطابقت رکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ کرۂ ارض کے اس وسیع منظر نامہ میں آدھا یا ایک فیصدی تفاوت کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس طرح کے تخمینوں میں ایک آدھ فیصد کی کمی بیشی کا امکان margin of error بہر حال موجود رہتا ہے، لہذا احادیث کا اصل مقصد کرۂ ارض کا ایک وسیع منظر نامہ پیش کرنا ہے۔

اس کے بعد اب اس سلسلے کی اگلی حدیث ملاحظہ ہو جس کی تخریج ابن ابی حاتم نے کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ زمین پر غیر آباد (خراب) حصہ کا تناسب ۴/۵ ہے اور آباد حصہ کا تناسب ۱/۵ ہے، لہذا کرۂ ارض کے مذکورہ بالا جغرافیائی اعداد و شمار کی روشنی میں اس کی معنویت بھی از خود واضح ہے کہ اس حدیث میں خراب کے مفہوم میں کرۂ ارض کے سمندر ۳/۵ اور خشکی کا خراب حصہ ۱/۵ دونوں شامل ہیں، لہذا ان دونوں کو جوڑنے سے کرۂ ارض کے کل خراب حصہ کا تناسب ۴/۵ ہوا اور اس حدیث میں ان دونوں کو خراب کہے جانے کی وجہ بھی واضح ہے کہ یہ علاقے نباتاتی زندگی کے لئے متحمل نہیں ہونے کی وجہ سے خراب شمار کئے جاتے ہیں، اس کے بعد اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کرۂ ارض کا بقیہ ۱/۵ حصہ آباد ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

احادیث کا علمی اعجاز اور اصول حدیث: جیسا کہ اس بحث سے واضح ہو گیا کہ کرۂ ارض کے ان دقیق معلومات اور جدید ترین جغرافیائی انکشافات اور حدیث شریف کے بیانات میں بدرجۂ اتم مطابقت اور ہم آہنگی پائی جا رہی ہے اور حدیث کے چند الفاظ ان تمام گوناگوں اور متفرق حقائق کی انتہائی خوب صورتی سے تفسیر و تشریح کر رہے ہیں، لہذا احادیث اور جدید سائنسی تحقیقات کے درمیان اس قدر حیرت انگیز مطابقت سے جو پہلا سائنسی اصول مرتب ہوتا ہے وہ یہ کہ اس قسم کے حقائق کا ماخذ انسانی کلام نہیں ہو سکتا بلکہ ان کا ماخذ ایک ایسی ہستی ٹھہرتی ہے جس کی نظر اور دست رس میں کائنات کے معمولی سے معمولی اور بڑے سے بڑے تمام مظاہر اور اشیا

ں کی تحقیق وتفتیش سے قبل ہی پہنچ جانا اس سے وحی الٰہی کا
ثبات بھی ہوتا ہے کہ وحی کے دائرے میں صرف قرآن
ے۔

توجہ اور لائق اعتنا ہے وہ یہ کہ یہاں بحث کی گئی تین
حضرت حسان بن عطیہ نے روایت کیا ہے وہ احادیث
بعی کی طرف ہو) ہیں، جب کہ تیسری حدیث جس کو
ے، وہ حدیث موقوف (وہ حدیث جس کی نسبت کسی صحابی
ل صحابہ اور تابعین کے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے اقوال
یں جب کہ حضرت حسان بن عطیہ تابعی، لہذا اس سے
ت بھی ہوتا ہے کہ صحابہ کے ساتھ ساتھ تابعین کے اقوال
ہے جب کہ نبی کریم ﷺ کے علم کا ماخذ وہی الٰہی ہے،
قرآن کی حقانیت کا بلکہ حدیث نبوی کا بھی اثبات ہو رہا
یث موقوفہ اور احادیث مقطوعہ تمام شامل ہیں۔

حواشی

۲۸، دانش گاہ پنجاب، پاکستان۔ (۲) العظمۃ: ابوالشیخ، ۴/ ۱۴۱۲؛
تاب فی الہیئۃ، ص ۶۷۔ (۳) تفسیر الدر المنثور، جلال الدین
سیر الدر المنثور، جلال الدین سیوطی، ۴/ ۴۲؛ فتح القدیر، شوکانی،
Oceanography: Inagmanson & Wallace
۔ (۸) حوالہ سابق۔ (۹) برفانی ادوار پر تفصیل کے لئے ملاحظہ
ر اور موسمی تبدیلیاں: قرآن، حدیث اور جدید سائنسی تحقیقات
القرآن، راغب اصفہانی، ص ۳۴۷، دار المعرفۃ، بیروت۔
Encyclopaedia Britannica 2001 Deluxe
لو پیڈیا: ۵/ ۱۳۰۔

اندلس کے نامور محدث: بقی بن مخلد

از:- جناب محمد احمد زبیری ☆

تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں علم حدیث کے فروغ میں زیادہ تر مصری اور مدنی اسناد کو اہمیت حاصل رہی، اہل اندلس نے علم حدیث کے حصول کے لئے مصر، مدینہ اور حجاز کے شیوخ سے استفادہ کیا، عراق اس زمانے میں حدیث کا بڑا مرکز تھا لیکن عراقی محدثین سے اہل اندلس کے براہ راست استفادے کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا (۱)، ابن حبیب اور ان کے دیگر ہم عصر اندلسی علما نے اپنے علمی اسفار کو حجاز تک محدود رکھا، یہ وہ محدثین تھے جنہوں نے سب سے پہلے علوم نبوت اور معارف نبوی سے اپنے دامن کو آراستہ کرنے کے لئے مشرق کی طرف رخت سفر باندھا، انہیں ہم اندلس کے اولین محدثین کہہ سکتے ہیں، اس کی نمایاں وجہ اندلس کی اموی امارت اور بغداد کی عباسی خلافت کی باہمی عداوت بھی تھی لیکن یہ صورت حال عبدالرحمان ثانی کے زمانے میں تبدیل ہونا شروع ہوئی اور اندلس عراقی اثر ونفوذ سے براہ راست متاثر ہونا شروع ہوا، عبدالرحمان ثانی کے زمانے میں بقی بن مخلد، محمد بن وضاح اور صحاح ستہ کے مولفین کے معاصرین اہل اندلس نے عراق کا رخ کیا، بقی بن مخلد کی اندلس میں وہی حیثیت ہے جو بلاد مشرق میں امام احمد بن حنبل کی ہے، دل چسپ بات یہ ہے کہ بقی بن مخلد نے امام احمد بن حنبل سے استفادہ کیا، انہوں نے بھی ایک ضخیم مستند ترتیب دی، اس عظیم اندلسی محدث کے احوال وآثار آیندہ صفحات میں سپرد قلم کیے جاتے ہیں:

نام ونسب: بقی بن مخلد بن یزید، لقب شیخ الاسلام، کنیت ابوعبدالرحمان الاندلسی القرطبی۔

تاریخ اور مقام پیدائش: وہ شہر قرطبہ میں ۲۱ رمضان المبارک ۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے (۲)،

☆ لیکچرر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

پیدائش مندرجہ بالا تاریخ سے دو سال قبل ہوئی تھی، وہ اندلس
ں زمانے میں اندلس عباسی دربار سے آزاد ریاست تھی اور اس
پھوٹتے تھے۔(۳)

ے کہ اندلس اور بغداد کے درمیان علمی ثقافتی اور تجارتی رابطے
جروں نے اندلس کا رخ کرلیا تھا، وہ اپنے سامان تجارت لے
ت اور تہذیب وثقافت کی چھاپ بھی ڈال دیتے تھے، دوسری
ے لئے مشرق کے دروازے کھلے تھے، وہ اپنی علمی پیاس کو
ہمدان، یمن اور حرمین کا رخ کرتے تھے۔(۴)

نے ابتدائی تعلیم قرطبہ ہی میں حاصل کی تھی، وہاں کے مشہور
ں کی خدمت میں رہے اور اکتساب علم کیا، یہ قرطبہ کے چوٹی
ے کے عالم تھے، انہوں نے طلب علم کے لئے حجاز اور عراق کا

ں کے علما سے استفادہ کرنے کے بعد وہ مشرق اسلامی کے سفر
شام، جزیرہ، حلوان، بصرہ، کوفہ، واسط، خراسان، عدن اور
(۷۴۸ھ) کی رائے یہ ہے کہ ان کا خراسان و ہمدان جانا
ریمن میں آمد بھی محل نظر ہے(۶) لیکن امام ذہبی (۷۴۸ھ)
لئے کوئی حوالہ نہیں دیا۔

ن مخلد شہر شہر اور گاؤں گاؤں کا چکر لگا کر علمائے حدیث سے
م میں حرمین شریفین میں ٹھہرتے تھے، اس طرح دنیا کے مختلف
سے روایت ودرایت کے علوم کا فیض حاصل کرتے تھے(۷)،
سے استفادہ کرنے میں کامیاب ہوگئے اور بعض مولفین سے
ت حاصل کی، بصرہ میں مشہور محدث اور مورخ خلیفہ بن الخیاط
ت اور التاریخ کی اجازت لی، کوفہ میں ابوبکر بن ابی شیبہ سے

ان کی معرکۃ الآرا کتاب ''مصنف'' کی اجازت حاصل کی (۸)، اسی زمانے میں انہوں نے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضری کا شرف بھی حاصل کیا۔

عبدالرحمان بن احمد بن بقی بن مخلد نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے دادا بقی بن مخلد سے سنا ہے کہ: میں نے مکہ سے بغداد کا سفر کیا، تاکہ امام احمد بن حنبل سے ملاقات کروں، جب میں بغداد کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ امام صاحب اس وقت سخت امتحان اور آزمائش میں ہیں اور کسی کو ان سے ملاقات کی اجازت نہیں، اس بات کا مجھے بے حد صدمہ ہوا، جب بغداد میں داخل ہوا وہاں ایک سرائے میں کرائے پر جگہ لے لی اور پھر جامع مسجد چلا گیا، تاکہ لوگوں سے مل سکوں، میں ایک حلقہ علمی میں گیا، دیکھا کہ ایک آدمی رجال کے بارے میں درس دے رہا ہے، جب کسی نے بتایا کہ یہ یحییٰ بن معین ہیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی، میں نے عرض کیا کہ آپ احمد بن حنبل کے بارے میں فرمائیں کہ وہ کس پایہ کے آدمی ہیں، انہوں نے مجھے حیرت سے دیکھا اور کہا: کہ ہم جیسے لوگ ''احمد بن حنبل'' کے بارے میں کیا کہیں؟ وہ تو امام المسلمین ہیں اور اس وقت کے مسلمانوں میں بہتر اور افضل شخص ہیں، میں وہاں سے سیدھا احمد بن حنبل کے مکان کی تلاش میں نکلا، پتہ معلوم ہوا تو جا کر دروازے پر دستک دی، امام صاحب نکل آئے تو میں نے عرض کیا: ابوعبداللہ! میں بہت دور سے آیا ہوں اور اس ملک میں یہ میری پہلی آمد ہے، میں آپ سے حدیث وسنت حاصل کرنا چاہتا ہوں، اس لئے آپ کے ہاں حاضر ہوا ہوں، انہوں نے کہا کہ مہمان خانے کے اندر آجائیں لیکن خیال رکھو کہ کوئی کوئی آپ کو دیکھ نہ لے، جب میں اندر گیا تو امام صاحب نے پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے جواب دیا: مغرب اقصیٰ سے، انہوں نے کہا: افریقہ سے؟ میں نے کہا: میرا ملک اندلس ہے، سمندر پار کرکے پھر ہم افریقہ میں داخل ہوتے ہیں، امام صاحب نے کہا کہ یقیناً آپ بہت دور سے آئے ہیں لیکن آج کل میں ایک امتحان میں ہوں، شاید آپ کو اس کا علم ہو چکا ہوگا، میں نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے، البتہ یہاں پر چونکہ میں نو وارد ہوں اور کوئی مجھے جانتا نہیں، اگر آپ اجازت دیں تو میں روزانہ سائل کی حیثیت سے آؤں گا اور اسی طرح آپ کے گھر کے سامنے آواز لگاؤں گا، اس طرح باہر تشریف لانے پر اگر آپ مجھے روزانہ ایک حدیث بھی پڑھاتے رہیں گے تو میرے لئے کافی ہوگا، امام صاحب

ہے کہ آپ کسی کو بتائیں گے نہیں، میں نے کہا یہ شرط مجھے
ایک میلا کپڑا سر پر باندھتا اور امام صاحب کے دروازے پر
'' جو اس وقت کے سائلوں کا نعرہ ہوتا تھا، وہ نکلتے اور مجھے دو
تے، میں نے اس طریقہ کی پابندی کی حتی کہ امام صاحب پر
وگیا۔(۹)

نے اس واقعہ کو نقل کر کے اس کو بے اصل قرار دیا ہے، اس کے
ں ہے کہ بقی بن مخلد امام احمد کے پاس ۲۳۰ھ کے بعد آئے
(۲۲۸ھ) احادیث کا سلسلہ قطع ہو گیا تھا اور واثق کی موت
۲ھ میں) امام احمد نے روایت حدیث خود ترک کر دی تھی اور
کے بعد صرف اسماء الرجال اور فقہ کو موضوع بحث بنایا تھا۔

ہے کہ اگر بقی بن مخلد امام احمد بن حنبل سے تین سو احادیث سن
میں اس کی تحدید موجود ہے) تو اپنی مسند میں اس کا ذکر بڑے
ے پاس مسند بقی کے جو دو اجزا موجود ہیں ان میں امام احمد سے

ں کا مشہور محدث اکرم ضیاء عمری نے ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور
زور اور نا قابل اعتماد ہے، لکھتے ہیں:

ت درجہ قوی ہے، اس کو عبد الرحمان نے اپنے والد احمد اور اس
عبد الرحمان بن احمد ثقہ اور ضابط ہیں، اپنے لکھنے پر اعتماد کرتے
قرطبہ کے ممتاز عابد، زاہد اور قاضی تھے، وہ اپنے والد بقی بن
ہ معلومات رکھتے تھے، اس لئے سند کے اعتبار سے یہ واقعہ قوی

کا دوسرا اعتراض اس پر مبنی ہے کہ بقی بن مخلد کی ملاقات امام
وئی جب امام صاحب نے خود روایات کرنا ترک کر دیا تھا، اس

بات کے لئے علامہ ذہبی نے کوئی دلیل پیش نہیں کی، نہ تاریخ میں ایسی کوئی حجت ہے جس سے امام ذہبی کی اس بات کا اشارہ ملتا ہو، بلکہ یہ بات تو معلوم اور مسلم ہے کہ بقی بن مخلد کوفہ میں ۲۲۷ھ میں آئے تھے تو کیا کوفہ میں رہتے ہوئے وہ امام احمد کی ملاقات کے لئے نہیں گئے ہوں گے، بہت ممکن ہے کہ واثق باللہ کی وفات جو ۲۲۷ھ میں ہوئی ہے سے قبل دونوں کی ملاقات ہو چکی ہو، البتہ جس روایت میں ہے کہ '' حتی کہ ابتلاء میں ڈالنے والا شخص وفات پا گیا'' تو خطیب کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ واثق باللہ نے خود بھی عقیدہ اعتزال سے رجوع کر کے اہل سنت کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔☆

مسند بقی میں امام احمد کی روایت نہ ہونے کی دلیل بھی اتنی قوی نہیں ہے کیوں کہ امام ذہبی نے تو اس کے دو اجزا کا ذکر کیا ہے کہ ان میں احمد بن حنبل کی روایت نہیں، صرف دو اجزا سے پوری کتاب کے بارے میں رائے قائم کرنے میں کوئی وزن نہیں ہے، واللہ اعلم۔(۱۱)

اندلس واپسی: حجاز و بغداد کے منابع علم سے سیراب ہونے کے بعد ۲۴۴ھ میں واپس اندلس پہنچے، اس سفر میں انہوں نے روایت و درایت کے ایسے ذخیرے جمع کیے جن کی اجازت مصنفین سے براہ راست حاصل کی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اندلس میں ہر طرف مذہب مالکی کی سیادت و قیادت تھی اور ملک کے تمام قابل ذکر علما اس فقہی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، اندلس میں مذہب مالکی امام مالک کے چند شاگردوں کے ذریعے پھیل گیا تھا، جنہوں نے مدینہ منورہ میں براہ راست امام مالک سے علم حاصل کر لیا تھا۔

جب بقی بن مخلد اندلس واپس آ گئے اور اپنی خداداد صلاحیت اور قابل اعتماد علم کی روشنی میں انہوں نے روایات کے مطابق فتوی دینا شروع کیا اور حدیث کی ایسی نئی کتابیں ساتھ لے

☆ معارف: امام احمد سے بقی بن مخلد کے استفادے کا جو واقعہ اوپر مذکور ہوا ہے وہ روایتاً ممکن ہے درست ہو لیکن درایتاً صحیح نہیں معلوم ہوتا، واثق باللہ کے دور خلافت میں امام احمد پر کوئی سختی تو نہیں کی گئی مگر ان کو جلاوطن کر دیا گیا تھا اور وہ اس کے زمانہ خلافت بھر روپوش رہے، یہاں تک کہ جمعہ و جماعت کے لئے بھی باہر نہیں نکلتے تھے، فتنہ خلق قرآن کا خاتمہ خلیفہ متوکل کے زمانے میں ۲۳۴ھ میں ہوا۔'' ض''

ں کے درمیان معروف نہیں تھی تو اس بات پر اندلس کے علما و مشائخ
گیا اور رفتہ رفتہ یہ بات اس وقت کے حاکم امیر محمد بن عبدالرحمان
رضین اور بقی بن مخلد کو یک جا بٹھا کر بقی کے پاس موجود تالیفات کا
راسے خوب سراہا اور حکم دیا کہ ان کی نقول شاہی کتب خانے میں رکھی
نے بقی کو علوم کی نشر و اشاعت کی اجازت بھی دی، امیر نے کہا:

ما عند ک	اپنے علم کو پھیلاؤ جو علم آپ کے پاس ہے اس کی
حوا بک "	روایت کرتے رہو اور لوگوں کے لئے بیٹھتے رہو،
	تاکہ وہ تمہارے علم سے نفع حاصل کریں۔(۱۲)

وفات بہ روز سہ شنبہ ۲۷ر یا ۲۸ر جمادی الآخر ۲۷۶ھ میں قرطبہ
ں کے داماد محمد بن یزید نے پڑھائی اور مقبرہ بنی عباس میں ان کی

حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ بقی بن مخلد نیک اور متقی شخص تھے،
تھے، ان امور میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے اور اپنے شہر میں
وہ حافظ حدیث، ائمہ دین اور زہاد و صالحین میں سے تھے (۱۵)،
نے "قضا" کو کبھی قبول نہیں کیا، حالانکہ کئی بار امرائے اندلس نے
ان کے ایک نہایت قدر دان امیر منذر بن عبدالرحمان نے بے حد
ے عالم کا نام بتا کر خود اپنے کو اس منصب سے بچالیا۔(۱۶)
جن مشائخ سے بقی بن مخلد کی ملاقات ہوئی اور ان سے باقاعدہ
و چوراسی سے زیادہ بتائی جاتی ہے، کتب تراجم میں جن حضرات
ں:

۲۴۰ھ۔
۲-ابراہیم بن محمد الشافعی متوفی ۲۳۸ھ۔
نی ۲۳۶ھ۔
۴-ابراہیم بن ہشام الغسانی۔
نی ۲۴۶ھ۔
۶-احمد بن عبداللہ بن میمون متوفی ۲۴۶ھ۔

۷-احمد بن عمرو بن السرح ابوالطاہر
متوفی ۲۵۵ھ۔
۸-احمد بن محمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ۔
۹-اسحاق بن سعید۔
۱۰-اسماعیل بن عبید الحرانی متوفی ۲۴۰ھ۔
۱۱-بکار بن عبداللہ بن بشر۔
۱۲-حبارۃ بن مغلس الحمانی متوفی ۲۴۱ھ۔
۱۳-حارث بن مسکین متوفی ۲۵۰ھ۔
۱۴-حرملۃ بن یحییٰ التجیبی المصری
متوفی ۲۴۳ھ۔
۱۵-داؤد بن رشید الہاشمی الخوارزمی
نزیل بغداد۔
۱۶-زہیر بن حارث۔
۱۷-زہیر بن حرب ابوخیثمہ النسائی
متوفی ۲۴۳ھ۔
۱۸-زہیر بن عباد الرواسی۔
۱۹-سحنون بن سعید الفقیہ متوفی ۲۴۰ھ۔
۲۰-سلمۃ بن شبیب المسمعی النیشاپوری
متوفی ۲۴۰ھ کے بعد۔
۲۱-سوید بن سعد الانباری متوفی ۲۴۰ھ۔
۲۲-شیبان بن فروخ الحبطی متوفی ۲۳۶ھ۔
۲۳-صفوان بن صالح الدمشقی متوفی ۲۳۸ھ۔
۲۴-عباس بن عثمان المودب الدمشقی
متوفی ۲۳۸ھ۔
۲۵-عباس بن الولید الخلال الدمشقی
متوفی ۲۴۸ھ۔
۲۶-عبدالرحمان بن ابراہیم رحیم
متوفی ۲۴۵ھ۔
۲۷-عبداللہ بن احمد بن ذکوان۔
۲۸-ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ
متوفی ۲۳۵ھ کوفہ میں۔
۲۹-عبیداللہ بن عمر القواریری البصری
متوفی ۲۳۵ھ۔
۳۰-عثمان بن محمد بن ابراہیم بن ابی شیبہ
متوفی ۲۳۹ھ۔
۳۱-عمرو بن علی الفلاس متوفی ۲۴۹ھ۔
۳۲-عون بن یونس افریقہ میں۔
۳۳-عیسی بن حماد زغبۃ متوفی ۲۴۸ھ۔
۳۴-القاسم بن عثمان الجوعی الدمشقی۔
۳۵-کثیر بن عبید المذحجی متوفی ۲۵۰ھ۔
۳۶-محمد بن ابان الواسطی متوفی ۲۳۸ھ۔
۳۷-محمد بن بشار بندار متوفی ۲۵۵ھ۔
۳۸-محمد بن ابی بکر المقدمی متوفی ۲۳۴ھ۔

۴۰-محمد بن عبداللہ بن نمیر متوفی ۲۳۴ھ

۴۲-محمد بن العلاء الکوفی ابوکریب متوفی ۲۴۷ھ۔

۴۴-محمد بن المثنی الزمن ابوموسی متوفی ۲۵۲ھ۔

۴۶-محمد بن یحییٰ بن ابی عمر العدنی متوفی ۲۴۳ھ۔

۴۸-ابومصعب الزہری الحجازی۔

۵۰-ہارون بن عبداللہ الحمال متوفی ۲۴۳ھ۔

۵۲-ہریم بن عبدالاعلی الاسدی البصری متوفی ۲۳۴ھ۔

۵۴-ہشام بن عبدالملک البزنی الحمصی متوفی ۲۵۱ھ۔

۵۶-ہناد بن السری الکوفی متوفی ۲۴۳ھ۔

۵۸-یحییٰ بن بشر الحریری الکوفی متوفی ۲۲۷ھ۔

۶۰-یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المصری متوفی ۲۲۸ھ۔

۶۲-یعقوب بن حمید بن کاسب المدنی نزیل مکہ متوفی ۲۴۰ھ۔(۱۷)

تلامذہ کا نام تفصیل کے ساتھ موجود نہیں، ان کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے بھی ہو چکا تھا، ان کے ایک ساتھی احمد بن ابی خیثمہ (جھاڑو) رکھا تھا کہ جہاں بقی بن مخلد ہوتے تھے، تشنگان علم کو درس میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا، ایک اس سے بہ آسانی اندازہ ہوتا ہے کہ بقی بن مخلد سے استفادہ کی؟ اہل مشرق کا بقی بن مخلد سے استفادے کا بہت کم ذکر

ملتا ہے، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ جب بقی بن مخلد مشرق میں تھے اس وقت ان کے اساتذہ و مشائخ زندہ تھے، جن سے لوگ مسلسل استفادہ کرتے رہتے تھے اور جس وقت ان کے مشائخ دنیا میں نہیں رہے تو وہ واپس اندلس جا چکے تھے، مصر و افریقہ میں بھی (قلیل تعداد میں) طالبان علوم نبوت نے ان سے استفادہ کیا ہے، بقی بن مخلد کے اپنے الفاظ ملاحظہ کیجئے:

"لما قدمت من العراق علی یحیی بن بکیر اجلسنی الی جنبه و سمع منی سبعة احادیث"۔(۱۸)

جب میں عراق سے آیا تو یحییٰ بن بکیر نے اپنے ساتھ بٹھالیا اور سات احادیث مجھ سے سنیں۔

نیز کہتے ہیں:

"قدمت علی سحنون فکان ابنه محمد یسمع علی فی داخل بیت سحنون بمحضر سحنون"۔(۱۹)

میں سحنون کے پاس آیا تو اس کے گھر پر اس کا بیٹا سحنون کی موجودگی میں مجھ سے احادیث سنتا تھا۔

ان کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل مشائخ کا نام ملتا ہے:

۱-احمد بن بقی بن مخلد

۲-احمد بن خالد بن یزید

۳-احمد بن عبداللہ بن محمد بن المبارک الاموی ابوالقاسم

۴-اسلم بن عبدالعزیز بن ہشام القاضی۔

۵-ایوب بن سلیمان المری

۶-حسن بن سعد بن ادریس البربری۔

۷-عبداللہ بن یونس المرادی۔

۸-عبدالواحد بن حمدون۔

۹-علی بن عبدالقادر بن ابی شیبہ الاندلسی۔

۱۰-محمد بن عمر بن لبانہ۔

۱۱-محمد بن قاسم بن محمد۔

۱۲-محمد بن وزیر۔

۱۳-مروان بن عبدالملک القیسی۔

۱۴-مہاجر بن عبدالرحمان۔

۱۵-نمر بن ہارون بن رفاعہ العبسی۔

۱۶-ہشام بن الولید الغافقی۔(۲۰)

بقی بن مخلد کی تالیفات

۱-التفسیر الکبیر: بقی بن مخلد کی تالیفات میں سب سے اہم کتاب "التفسیر الکبیر" ہے،

ں لکھتے ہیں:

عا لا میں قطعی طور پر بلا استثنا کہتا ہوں کہ اسلام کی
ف فی پوری تاریخ میں اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی،
د بن حتی کہ محمد بن جریر طبری اور دیگر مولفین کی
۲۱) تفاسیر بھی اس کی ہم پلہ نہیں۔

اہم کتاب، بقی بن مخلد کی مسند ہے جس کے بارے میں

ضی انہوں نے یہ کتاب صحابہ کرام رضوان اللہ
ف و علیہم اجمعین کے ناموں اور فقہی ابواب کی
رتب ترتیب کو ملحوظ رکھ کر ترتیب دی ہے جس میں
ماء تیرہ سو سے زائد صحابہ کرام کی مرویات کو انہوں
ھو نے جمع کیا ہے، انہوں نے ہر صحابی کی احادیث کو
ذہ یک جاذکر کیا ہے اور فقہی ابواب کی ترتیب کو
بطہ بھی ملحوظ رکھا ہے، اس اعتبار سے یہ بیک وقت
یث مسند بھی ہے اور مصنف بھی ہے، میرے علم کی
عن حد تک آج تک کسی کو یہ بلند رتبہ نہیں ملا جو
ین ثقاہت، ضبط و اتقان اور حدیث کا اس قدر
فاء کثیر علم رکھتا ہو اور جس کے شیوخ بھی بلند پایہ
۲) ہوں، انہوں نے اس مسند میں دو سو چوراسی
شیوخ سے احادیث نقل کی ہیں اور ان میں دس
بھی ضعیف راوی نہیں ہوں گے، یہ سارے
کے سارے شیوخ مشہور علما ہیں۔

حملت مع نفسی جزءا من مسند ابی عبد الرحمان بقی بن مخلد الی المشرق فاریته محمد بن اسماعیل الصائغ فقال ما اغترف هذا الا من بحر علم و عجب من کثرة علمه ۔(۲۳)

میں جب مشرق گیا تو اپنے ساتھ عبدالرحمان بقی بن مخلد کی مسند کا کچھ حصہ بھی لے گیا، جب یہ کتاب میں نے محمد بن اسماعیل صائغ کو دکھائی تو وہ مولف کے علمی رتبے سے حیران ہوئے اور کہا کہ علم کے سمندر سے چلو بھر کے لائے ہو۔

ابن الفرضی (۴۰۳ھ) کہتے ہیں:

لیس لاحد مثله ۔(۲۴)

کسی نے اس کتاب جیسی تالیف مرتب نہیں کی۔

ابن الجوزی لکھتے ہیں:

روی فیه عن الف و ستمائة صحابی بل یزیدون علی هذا العدد ۔(۲۵)

اس مسند میں سولہ سو صحابہ کرام سے روایات نقل کی گئی ہیں بلکہ ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔

ابن کثیر نے بھی یہ تعداد نقل کی ہے اور بہ ظاہر یہی نظر آتا ہے کہ ابن کثیر نے یہ تعداد ابن الجوزی سے نقل کی ہے، ہوسکتا ہے ابن الجوزی کی عبارت میں تحریف ہوگئی ہو اور اصل تعداد تیرہ سو ہی ہو لیکن سولہ سو نقل ہوگئی ہو کیوں کہ ابن الجوزی نے بقی بن مخلد کے مرتب کردہ جدول کو دیکھا ہے اور اس کے ذریعے تعداد کا اندازہ لگایا ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ "ابن حزم، مسند بقی بن مخلد کو مسند احمد پر ترجیح دیتے ہیں" لیکن میرے خیال میں یہ بات محل نظر ہے کیوں کہ مسند احمد بہر حال مسند بقی بن مخلد پر فوقیت رکھتی ہے (۲۶) لیکن ابن کثیر کے اس قول کی کیا بنیاد ہے؟ حالاں کہ انہوں نے صراحت نہیں کی کہ آیا انہوں نے مسند بقی بن مخلد کو دیکھا ہے یا نہیں اور اس کے بغیر انہوں نے مسند احمد بن حنبل کی فوقیت کا فیصلہ کیسے دے دیا؟

بقی بن مخلد نے ایک دل چسپ واقعہ بھی اس مسند کے بارے میں نقل کیا ہے جو اس مسند کی تالیف کے وقت پیش آیا:

کو ترتیب دیا تو میرے پاس عبید اللہ بن یحییٰ اور اس کا
معلوم ہوا ہے کہ آپ نے ایک مسند مرتب کی ہے جس
کے ذکر کیا ہے اور ہمارے والد کو بعد میں ذکر کیا ہے، بقی
پہلے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
۲) قریش کو مقدم رکھو اور اس پر سبقت نہ لے جاؤ۔
بزرگی کی وجہ سے مقدم کیا ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے
ہ ابن بکیر نے امام مالک سے دس مرتبہ موطا سنی ہے اور
ی ہے۔
پاس سے اٹھ کر چلے گئے اور اس کے بعد کبھی نہیں آئے
اختیار کرلیا"۔(۲۸)
اتنا معلوم ہے کہ مشرق کے چند اکابر علمائے حدیث
۷۴ھ) نے تو صاف لکھا ہے کہ میرے پاس مسند بقی
ذخیرۂ کتب میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، حافظ کے پاس

یں کیا ہے کہ اس نے مسند بقی بن مخلد کا کوئی نسخہ دیکھا
ن صاحب تحفۃ الاحوذی[1] نے لکھا ہے کہ اس کا ایک نسخہ
ی تفصیل انہوں نے ذکر نہیں کی۔

ین میں نے برلن، کوتہ اور لائپزک کے کتب خانے
ھی چھان لیے لیکن مجھے مسند بقی بن مخلد کی کوئی
ن نشانی نہیں ملی تاہم برلن کے کتب خانے میں

پوری جنہوں نے جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی کے نام
ں اس کے نسخے کی نشان دہی کی تھی۔

توجد مجموعة كبيرة من المخطوطات العربيه في مكتبة برلين لم تفهرس بعد وكذالك مكتبة برلين الشرقية حيث لم تفهرس مخطوطاتها بعد ولكن لا ازال ثمة امل في العثور عليه في المكتبات الخاصة و بعض المكتبات العامة وخاصه في مكتبة برلين الغربية وبلاد المغرب و تركيا ونحن نعلل النفس بذالك ۔(۲۹)

عربی مخطوطات کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے جس کی فہرست ابھی نہیں بنی ہے، اسی طرح مشرقی برلن کے کتب خانے کے قلمی نسخوں کی فہرستیں ابھی نہیں بنی ہیں، ابھی تک یہ امید برقرار ہے کہ کسی شخصی کتب خانے یا عام کتب خانے میں جن میں برلن، مغرب اور ترکی کے کتب خانے شامل ہیں اس کا کوئی نسخہ دریافت ہوجائے گا اور ہم اس تسلی کے ساتھ اپنے دل کو بہلاتے ہیں۔

احادیث روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد: تراجم اور صحابہ کرام کے حالات زندگی پر لکھی جانے والی کتب میں محدثین اور اسماء الرجال کے ماہرین نے ہزاروں صحابہ کرام کے حالات زندگی کو قلم بند کیا ہے، ابن حجر کی کتاب "الاصابہ" میں ۱۲۳۰۴ صحابہ کرام کے حالات ملتے ہیں، ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہیں جن کو شرف صحابیت حاصل نہیں ہے اور تابعین کے طبقے میں آتے ہیں، اس کی تفصیل اور اسباب ابن حجر نے الاصابہ کے مقدمے میں بیان کی ہے، حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ اسد الغابہ میں ابن الاثیر (۶۳۰ھ) نے ۷۵۵۴ اور صحابہ کرام کے حالات لکھے ہیں (۳۰) لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں بعض حضرات یقیناً صحابہ نہیں ہیں، حافظ ذہبی نے اسد الغابہ میں مذکور ایسے حضرات کے ذکر کو حذف کرکے دیگر صحابہ کرام کے حالات زندگی کو "تجرید اسماء الصحابہ" میں یک جا ذکر کیا ہے، اس طرح صحابہ کرام کی تعداد اس کتاب کے مطابق ۸۸۶۶ ہوجاتی ہے لیکن اس تجرید اسماء الصحابہ کا بھی وہی معاملہ ہے کہ بعض حضرات ایسے آگئے ہیں جن کی صحابیت یقینی نہیں ہے۔

ابن حجر نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ان کی کتاب "الاصابہ" میں صحابہ کرام کی کل تعداد کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے، ابوزرعہ رازی نے ذکر کیا ہے کہ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو جن

پ ﷺ سے احادیث سنیں، ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ
حادیث کو سماعت کی بنا پر یا رؤیت کی بنیاد پر روایت کیا ہے۔
کرام کی تعداد کے حوالے سے کوئی قطعی تعداد معلوم نہیں ہے
پ ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ کرام کی تعداد ساٹھ ہزار تھی،
ے تھے اور باقی تیس ہزار دیگر عرب میں پھیلے ہوئے تھے لیکن
وں کہ یہ بھی محض اندازہ ہے اور ابوزرعہ کے مذکورہ بالا قول
تے ہیں:

بعون — حجۃ الوداع میں چالیس ہزار صحابہ کرام تھے

بعون — جب کہ غزوہ تبوک میں آپ ﷺ کے ساتھ ستر ہزار صحابہ کرام تھے۔

وں کہ بخاری اور مسلم میں غزوہ تبوک کے شرکا کی تعداد کے

صیہم — لوگ اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ ان کی تعداد کسی رجسٹر میں درج نہیں کی جاسکتی تھی۔

اعدہ مردم شماری اور اس کا ریکارڈ حضرت عمرؓ کے زمانے میں

اتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کی شہادت کے وقت صحابہ کرام
حضرت عمرؓ کی شہادت کے وقت اکثر صحابہ کرام یا تو دنیا سے
بت سارے غزوات میں شہید ہو چکے تھے۔(۳۲)
ے کے مطابق صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی
پ ﷺ سے ان کی سماعت حدیث ثابت ہے لیکن یہ تعداد ان
حضور ﷺ کو دیکھا، چاہے انہیں سماعت حدیث کا موقع ملا یا
دیث روایت کرنے والے صحابہ کرام کی صحیح تعداد کا اندازہ

نہیں لگایا جاسکتا۔

لیکن اس معاملے میں کوئی شک نہیں کہ بہت سارے صحابہ کرام کی احادیث ہم تک نہیں پہنچیں، امام حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ) نے احادیث روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے جب کہ علامہ ذہبی کا خیال ہے کہ ان کی تعداد پندرہ سو ہے دو ہزار بھی نہیں۔

احادیث کے راوی صحابہ کرام کی تعداد کے حوالے سے علامہ ذہبی کا اندازہ قرین صحت ہے، ابن جوزی نے صحابہ کرام کی تعداد کا جو جدول مرتب کیا ہے، اس کے مطابق صحابہ کرام کی تعداد ۱۸۵۸ ہے (جن میں ۱۶۴۲ صحابہ ہیں اور ۲۱۶ صحابیات ہیں) ان میں سے بھی بعض کی روایت احادیث ثابت نہیں ہے، امام احمد نے اپنی مسند میں جن صحابہ کرام یا صحابیات کی احادیث نقل کی ہیں ان کی تعداد ۹۰۴ ہے اور جن صحابہ کرام کا ذکر بقی بن مخلد نے اپنی مسند میں کیا ہے اور امام احمد نے ان کا ذکر نہیں کیا، ان کی تعداد ۵۶۸ ہے، اس کے علاوہ ابوبکر البرقی نے اپنی فہرست میں جن صحابہ کا اضافہ کیا ہے جن کا ذکر نہ امام احمد نے کیا ہے اور نہ بقی بن مخلد نے کیا ہے، ان کی تعداد ۸۷ ہے، اس تعداد میں ابن جوزی نے دیگر مصادر کی مدد سے جو اضافہ کیا ہے وہ چھ ہے، اس طرح احادیث روایت کرنے والے صحابہ کرام کی مجموعی تعداد ۱۵۶۵ ہو جاتی ہے لیکن اس تعداد میں بھی وہ راوی شامل ہیں جو کہ صحابہ نہیں ہیں بلکہ تابعین ہیں جیسا کہ مسند بقی بن مخلد میں بعض تابعین کو مرسل احادیث روایت کرنے کی بنیاد پر صحابی شمار کیا گیا ہے، اس اعتبار سے علامہ ذہبی کا اندازہ درست ہے اور امام حاکم کی بیان کردہ تعداد بہت زیادہ ہے۔

مسند بقی بن مخلد کے حوالے سے ابن حزم کا قول بھی محل نظر ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس میں ۱۳۰۰ سے کچھ زائد صحابہ سے احادیث جمع کی ہیں لیکن یہ قول ابن حزم کے مرتب کردہ فہرست سے مطابقت نہیں رکھتا جس میں انہوں نے ایک ہزار تیرہ صحابہ کرام یا صحابیات کا ذکر کیا ہے، باقی راوی کہاں گئے اس کے بارے میں انہوں نے وضاحت نہیں کی۔(۳۳)

مسند احمد اور مسند بقی کا تقابل: ۱۔ جن صحابہ کرام کی احادیث مسند احمد میں آئی ہیں شیخ البانی کی فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۹۰۴ ہے جب کہ مسند بقی میں ایک ہزار تیرہ صحابہ کرام کی احادیث ذکر کی گئی ہیں لیکن مسند بقی میں بعض تابعین کو بھی صحابی سمجھا گیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا

ی وضاحت کی ہے۔(۳۴)

دیث کی تعداد ۳۰۹۶۹ ہے جب کہ مسند احمد میں عبداللہ
تعداد تیس ہزار ہے۔

ت کی تعداد مسند بقی میں زیادہ ہے جب کہ مسند احمد میں
داد کم ہے، مثلاً مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات
ضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔

عمر کی مرویات کی تعداد مسند بقی بن مخلد میں ۲۲۱۰ ہے
د ۲۰۲۹ ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ کی مرویات کی تعداد
میں ۵۳ ہے، حضرت انس کی مرویات کی تعداد مسند بقی
بعض اوقات مسند احمد میں بعض صحابہ کی مرویات کی تعداد
، مثلاً مسند احمد میں حضرت علیؓ کی مرویات کی تعداد ۸۱۹
ت کی تعداد کا یہ اختلاف سلسلہ سند میں ہے، متن کے اندر
ہے۔

د بن حنبل کے شاگرد رہے ہیں لیکن مسند بقی ان سے
نے ۲۸۴ شیوخ سے روایات کو اپنی مسند میں جمع کیا ہے،
ں کے سب مشاہیر اور بڑے بڑے محدثین ہیں، یہ قول
د کو دیکھا ہے جب کہ مسند احمد میں امام احمد بن حنبل نے
علامہ ذہبی نے مسند بقی کی دو جلدیں دیکھنے کا ذکر کیا ہے
م احمد سے روایت نہیں کی گئی۔

بڑی احتیاط اور جانچ پرکھ کے بعد مرتب کیا ہے، ابن حجر
کے اسلوب کو اپنایا ہے، ابن حزم مسند بقی کے حوالے

له میرے علم کی حد تک آج کسی کو یہ بلند رتبہ نہیں

مع ثقته و ضبطه و اتقانه
و احتفاله فيه في الحديث
وجودة شيوخة فانه روى عن
مائتي رجل و اربعة و ثمانين
رجلا ليس فيهم عشرة ضعفاء
و سائرهم اعلام مشاهير

ملا، جو ثقاہت، ضبط و اتقان اور حدیث کا اس
قدر کثیر علم رکھتا ہو اور جس کے شیوخ بھی
بلند پایہ ہوں، انہوں نے اس مسند میں ۲۸۴
شیوخ سے احادیث نقل کی ہیں، ان میں دس
بھی ضعیف نہیں ہوں گے بلکہ سب نام ور علما
اور مشاہیر محدثین ہیں۔

۶- جہاں تک دونوں مسانید کی ترتیب اور حسن تالیف کا تعلق ہے تو مسند بقی بن مخلد، مسند احمد پر فوقیت رکھتی ہے کیوں کہ یہ مسند بھی ہے اور مصنف بھی ہے یعنی ہر صحابی کی احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے اور یہ نادر اسلوب اس سے پہلے کسی نے اختیار نہیں کیا۔

۷- سند عالی کے معاملے میں مسند احمد، مسند بقی پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ امام احمد بقی بن مخلد کے شیوخ میں سے ہیں۔

۸- ابن کثیر مسند احمد کو مسند بقی پر ترجیح دیتے ہیں لیکن انہوں نے وضاحت نہیں کی کہ آیا انہوں نے خود مسند احمد کو دیکھا ہے یا نہیں۔(۳۵)

۹- مسند احمد کے ۱۱۲۷ اجزا ہیں جب کہ مسند بقی دو سو اجزا پر مشتمل ہے(۳۶) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسند احمد کی ضخامت کم ہے کیوں کہ اجزا کا تعلق کاغذ کے سائز اور رسم الخط کے فرق کی وجہ سے مختلف ہے۔

۱۰- دونوں مسانید میں مرویات کا اختلاف مقلین صحابہ میں ہے مکثرین میں نہیں۔

(ا) جن صحابہ کی مرویات کی تعداد بیس سے زیادہ ہے ان دونوں کی مرویات دونوں میں یکساں ہیں۔

(ب) جن صحابہ کرام کا ذکر بقی نے کیا ہے اور امام احمد نے نہیں کیا ان کی تعداد اکتیس ہے جن میں تین، دو اور ایک احادیث روایت کرنے والے صحابہ کرام شامل نہیں۔

(ج) جن صحابہ کی مرویات تین یا دو ہیں اور انہیں بقی نے ذکر کیا ہے اور امام احمد نے ذکر نہیں کیا، ان کی تعداد ۸۲ ہے۔

ی کرنے والے صحابہ جنہیں امام احمد نے ذکر نہیں کیا اور مسند
۳۳۴ ہے۔
حابہ کا ذکر مسند بقی میں ہے اور مسند احمد میں نہیں ان کی تعداد

د اور مسند بقی ایک نظر میں

	مسند احمد	مسند بقی
	۳۰۰۰۰	۳۰۹۶۹
	۹۰۴	۱۰۱۳
	۳۸۷۹	۵۳۷۴
	۳۱۰	۵۳۷
یات	۲۰۲۹	۲۲۱۰
رویات	۹۰۰	۸۴۸
	۸۱۹	۵۸۶
	۱۳۴۰	۲۲۱۰
یات	۵۳	۱۵۷
ویات	۲۱۹۲	۲۲۸۶
	۱۲۷	۲۰۰
	۲۸۳	۲۸۴

وی الصحابة والتابعين ومن دونهم تفسیر اور مسند کے
صنف کا ذکر بھی ملتا ہے، اس کے بارے میں ابن حزم لکھتے ہیں:

بکر بن — بقی بن مخلد اس مصنف کی ترتیب وتصنیف میں
الرزاق — مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق
منصور — بن ہمام اور مصنف سعید بن منصور وغیرہ پر

و غيرها و انتظم علما عظيما لم يقع في شئي من هذه ۔(۳۷)

سبقت لے گئے ہیں، انہوں نے اس مصنف میں علم کا بڑا ذخیرہ سمو دیا ہے۔

کتانی اپنی مشہور کتاب الرسالۃ المستطرفہ میں لکھتے ہیں:

وهو كتاب شهير و جامع كبير خرج اكثر احاديث الشيخان والاربعة ۔(۳۸)

یہ کتاب بڑی مشہور اور احادیث کے بڑے ذخیرے پر مشتمل ہے، اس کی اکثر احادیث بخاری اور مسلم اور اصحاب سنن نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔

۴-ماروی فی الحوض والکوثر یہ کتاب بھی نایاب ہے لیکن جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے، اس میں بقی نے حوض اور کوثر کے متعلق احادیث کو جمع کیا ہوگا اور یہ ایک مختصر کتاب یا کتابچہ ہوگی کیوں کہ اس موضوع پر زیادہ روایات نہیں ملتیں۔

۵-عدد ما لكل واحد من الصحابة من الحديث یہ کتاب دراصل ایک فہرست ہے جس میں بقی بن مخلد نے احادیث روایت کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد، ان کے اسمائے گرامی اور ان کی روایات یا احادیث کی تعداد ذکر کی ہے، اس کتاب کو ابن حزم (۴۵۶ھ) نے ترتیب دیا ہے، اس کتاب کے قلمی نسخے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں، ایک نسخہ شام کے مکتبہ ظاہریہ میں ہے، ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے اس کی فوٹو کاپی کر کے اسے شائع کیا ہے، اس کا خلاصہ ذیل کے جدول سے واضح ہوتا ہے۔

جدول نمبر۲

نمبر شمار	راویان احادیث کی قسم	احادیث کی تعداد	احادیث روایت کرنے والے صحابہ کی تعداد
۱	ہزاروں احادیث روایت کرنے والے	۱۲۴۰۰	۴
۲	ہزار احادیث روایت کرنے والے	۴۳۷۰	۳
۳	دوسو احادیث روایت کرنے والے	۴۵۱۶	۱۰
۴	سو احادیث روایت کرنے والے	۳۱۰۰	۲۱

بقی کی فہرست اور دیگر فہارس کا تقابل: صحابہ کرام کی مرویات کی تعداد کے ضمن میں بقی بن مخلد کی فہرست منفرد حیثیت کی حامل ہے، اس کے علاوہ ابوبکر احمد بن عبداللہ البرقی (۲۷۰ھ) نے بھی اس موضوع پر کام کیا ہے، اس کی ایک کتاب ''تاریخ'' کے عنوان سے ہے اور دوسری تالیف ''معرفۃ الصحابہ'' کے عنوان سے ہے لیکن یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا یہ دونوں الگ الگ کتابیں ہیں یا ایک ہی تصنیف کے دو نام ہیں، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں اس سے اقتباس دیا ہے، برقی کے حوالے سے حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ حافظ حدیث اور اس فن کے ماہرین میں سے تھے۔(۳۹)

ان دونوں کتابوں (فہارس) کے تقابل سے یہ بات سامنے آتی ہے، جیسا کہ ابن جوزی نے ''تلقیح فہوم اہل الاثر'' کے اندر بیان کیا ہے کہ بعض اوقات برقی نے بقی بن مخلد سے زیادہ تعداد میں احادیث صحابہ کی طرف منسوب کی ہیں، مثلاً ابوبکر برقی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک کی مرویات کی تعداد پچاس ہے جو کہ اہل مصر نے ان سے روایت کی ہیں، صرف ایک حدیث ایسی ہے جو اہل شام نے ان سے روایت کی ہے جب کہ بقی بن مخلد حضرت انس کی مرویات کی تعداد تیس بیان کرتے ہیں۔(۴۰)

حارث بن البرصاء کی جانب برقی چار احادیث منسوب کرتے ہیں اور بقی بن مخلد انہیں دو احادیث روایت کرنے والے صحابہ میں شمار کرتے ہیں، عبدالرحمان بن ازہر کے بارے میں برقی کہتے ہیں کہ ان سے چار احادیث مروی ہیں جب کہ بقی انہیں دو احادیث روایت کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔(۴۱)

حکم بن عمرو غفاری کو بقی ایک حدیث روایت کرنے والا اور برقی انہیں چار احادیث روایت کرنے والا بیان کرتے ہیں۔

برقی سعید بن عامر کو دو، سفیان بن وہب الخولانی اور شیبہ بن عثمان کو تین تین احادیث والا بیان کرتے ہیں مگر بقی انہیں ایک حدیث روایت کرنے والا شمار کرتے ہیں لیکن مجموعی طور پر بقی بن مخلد کی فہرست زیادہ جامع اور مکمل ہے اور اس سے صحابہ کرام کی زیادہ تعداد کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔

ث کی قسم	احادیث کی تعداد	احادیث روایت کرنے والے صحابہ کی تعداد
ت کرنے والے	۳۸۱۰	۹۱
کرنے والے	۳۸	۲
کرنے والے	۱۰۸	۶
کرنے والے	۵۱	۳
کرنے والے	۴۸	۳
کرنے والے	۶۰	۴
کرنے والے	۱۵۴	۱۱
نے والے	۹۱	۷
رنے والے	۱۰۸	۹
ت کرنے والے	۹۹	۹
رنے والے	۱۴۰	۱۴
نے والے	۱۰۸	۱۲
کرنے والے	۱۴۴	۱۸
ت کرنے والے	۱۹۶	۲۸
نے والے	۱۶۲	۲۷
کرنے والے	۱۴۰	۲۸
رنے والے	۲۱۲	۵۳
کرنے والے	۲۱۶	۷۲
رنے والے	۲۴۰	۱۲۰
رنے والے	۴۵۸	۴۵۸
	۳۰۹۶۹	۱۰۱۳

بقی بن مخلد کی تالیفات کا مفصل ذکر ہو چکا ہے، اس کے
اہل اندلس کو پہلی مرتبہ درج ذیل کتب سے روشناس کرایا:

۲- امام شافعی کی مشہور کتاب ''کتاب الام''،

۴- خلیفہ بن خیاط کی ''کتاب الطبقات''،

یہ تصنیفات پہلی مرتبہ بقی بن مخلد اندلس لے کر آئے اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اپنے دونوں طویل علمی اسفار کے دوران بے شمار دیگر کتب کا سماعت کے ذریعے یا اجازت کے ذریعے علم حاصل کیا، اگرچہ مصادر اس حوالے سے خاموش ہیں، بقی بن مخلد اجازت کو سماعت کے مساوی سمجھتے تھے۔

کی تاریخ میں کچھ اضافے بھی کیے اور ان کی پورزندگی
داستان ہے

حواشی

For details see jouynball, Muslim Traditio
ی، سیر اعلام النبلاء، ۱۳/ ۳۸۵، موسسۃ الرسالۃ،
بن الفرضی، تاریخ علماء الاندلس، ۲/ ۹۲، ۹۳، مطابع
عمری، بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ، ص ۳۶،
خ علماء الاندلس، ۲/ ۹۲، ۹۳، (۶) ابن الفرضی،
الفرضی، تاریخ علماء الاندلس، ۲/ ۱۹۲ (۸) اکرم ضیاء

العمری، بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ، ۳۷ (۹) ابن الفرضی، سیر اعلام النبلاء، ۱۳/ ۲۹۳
(۱۰) ایضاً حوالہ بالا، ۲۹۴ (۱۱) اکرم ضیاء العمری، بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ، ۳۹ (۱۲) الذہبی،
تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۶۳۰، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد (۱۳) ابن الفرضی، تاریخ علماء
الاندلس، ۲/ ۹۳ (۱۴) ابن الفرضی، سیر اعلام النبلاء، ۱۳/ ۲۸۹ (۱۵) الحمیدی، جذوۃ المقتبس،
۱۷۷، الدار المصریۃ للتالیف والترجمۃ، ۱۹۶۶ (۱۶) اکرم ضیاء العمری، بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ،
۵۹ (۱۷) اکرم ضیاء العمری، بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ، ۴۲-۴۵ (۱۸) یاقوت الحموی،
معجم الادباء، ۴/ ۸۳ (۱۹) ابن الفرضی، تاریخ علماء الاندلس، ۲/ ۹۲ (۲۰) ایضاً حوالہ بالا
(۲۱) الحمیدی، جذوۃ المقتبس، ۱/ ۲۷۵ (۲۲) ایضاً حوالہ بالا (۲۳) جذوۃ المقتبس، ۱/
۲۷۵ (۲۴) ابن الفرضی، تاریخ علماء الاندلس، ۱/ ۹۲ (۲۵) ابن الجوزی، منتظم، ۵/ ۱۰۰
(۲۶) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۱۱/ ۵۶، ۸۲ (۲۷) اکرم ضیاء العمری، بقی بن مخلد و مقدمۃ
مسندہ، ۴۹ (۲۸) ایضاً حوالہ بالا، ص ۲۷ (۲۹) ایضاً ص ۲۸ (۳۰) الذہبی، مقدمہ تجرید
اسماء الصحابۃ (۳۱) اکرم ضیاء العمری، بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ، ۱۹ (۳۲) بخاری
کتاب المغازی کعب بن مالک کی روایت میں آیا ہے: ''والمسلمون مع رسول اللہ ﷺ کثیر
ولا یجمعھم کتاب حافظ'' دیوان کا لفظ امام زہری کا ہے (۳۳) اکرم ضیاء العمری، بقی بن
مخلد ومقدمۃ مسندہ، ۱۹ (۳۴) المقری، نفح الطیب، ۱/ ۵۸۱، ۲/ ۱۳۱، دار صادر بیروت
۱۹۶۸ء (۳۵) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۱۱/ ۵۶-۵۷ (۳۶) الاشبیلی، فہرست ۱۳۹، ۱۴۰،
موسسۃ الخانجی القاہرہ ۱۳۸۲ھ (۳۷) الحمیدی، جذوۃ المقتبس، ۱/ ۲۷۵ (۳۸) الکتانی، الرسالۃ
المستطرفۃ، ۴۱، مطبع نور محمد کراچی (۳۹) الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۵۷۰ (۴۰) ابن الجوزی،
تلقیح فہوم اہل الاثر، ۳۶۶ (۴۱) ایضاً حوالہ بالا ۳۷۶ (۴۲) ابن الفرضی، تاریخ علماء
الاندلس، ۱/ ۲۶۲-۲۶۴۔

☆☆☆☆

ن الدین چشتیؒ کا زمانۂ ورود ہند

(تاریخ کے آئینے میں)

- جناب محمد معتصم عباسی آزاد☆

ین چشتیؒ کا شمار ہندوستان کے اکابر صوفیہ میں ہوتا ہے، وہ
ین سلسلے ''سلسلۂ چشتیہ'' کے بانی تھے، انہوں نے اجمیر کو اپنا
ن کی اور اصلاح وتبلیغ کا آغاز کیا تھا، نوے سال سے زائد عمر
ے، ان کا مزار آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے، ہر سال رجب
جس میں برصغیر ہندو پاک سے لاکھوں کی تعداد میں زائرین
یتے ہیں، اس موقعہ پر اردو رسائل واخبارات میں ان کے
ین شائع ہوتے ہیں، ان مضامین میں بعض ایسی روایتیں اور
وتاریخ سے مطابقت نہیں رکھتے بلکہ غلط اور گم راہ کن ہیں۔
ے میں ہماری معلومات کا ماخذ وہ تذکرے ہیں جن کے لکھنے
سے متاثر اور کسی نہ کسی سلسلہ تصوف سے وابستہ تھے، ان کا حسن
ت یا واقعہ کی صحت وعدم صحت کو نقد اور اسناد کے اصولوں پر
کے پیش رو بزرگوں نے لکھ دیا یا کسی عقیدت مند راوی سے سن
ل کر دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے بیانات میں اختلاف

ے میں ان سے قریب العہد تذکرہ میر خرد کا ''سیر الاولیا'' ہے جو

ی کالج روڈ، علی گڑھ۔

چشتی مشائخ کے بارے میں مورخین اور تذکرہ نگاروں کے نزدیک سب سے زیادہ مستند ماخذ ہے کیوں کہ حضرت نظام اولیاؒ (۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) سے میر خرد اور ان کے اہل خاندان کا تعلق حضرت فرید الدین گنج شکرؒ (۶۶۴ھ/ ۱۲۶۵ء) کے زمانے سے چلا آرہا تھا اور ان کے درمیان کچھ خاندانی روابط تھے، خود میر خرد کی تربیت حضرت نظام الدین اولیاؒ کی نگرانی میں ہوئی تھی، لہذا چشتی سلسلے کے مشائخ کے حالات کے بارے میں ان سے زیادہ کسی کو واقفیت نہیں ہوسکتی تھی لیکن جن لوگوں نے ''سیر الاولیا'' کا مطالعہ کیا ہے، ان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہ ہوگی کہ سیر الاولیا میں سنین کے اندراج میں سخت بے پروائی برتی گئی ہے، اکثر سنین غلط ہیں، وہ خواہ کاتب کی غلطی ہو یا خود میر خرد سے سہو ہوا ہو، اسی طرح بعض واقعات کے ذکر میں زبانی روایتوں پر انحصار کیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایسے واقعات بھی مذکور ہوگئے ہیں جن کا تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، ایسی ہی ایک روایت پرتھوی راج کے عہد میں حضرت خواجہ کی اجمیر میں آمد کے بارے میں ہے، جس نے عوام ہی کو نہیں بعد کے مورخین اور تذکرہ نگاروں کو بھی اب تک غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے۔

''سیر الاولیا'' کے بعد زیادہ تر تذکرے اور تاریخیں مغل عہد میں لکھی گئی ہیں، حضرت خواجہؒ کے بارے میں ان سب کا ماخذ سیر الاولیا ہی معلوم ہوتا ہے، ابوالفضل تک اس غلط روایت کو ''آئین اکبری'' میں نقل کرتا ہے۔(۱)

''درسال کہ معز الدین سام دہلی گرفت درانجا رسید''۔	جس سال معز الدین سام نے دہلی فتح کیا، وہاں پہنچے۔

بدایونی سلطان معز الدین محمد بن سام غوری (م ۶۰۳ھ/ ۱۲۰۶ء) کے ہندوستان پر دوسرے حملے کے ضمن میں ''منتخب التواریخ'' میں لکھتے ہیں:(۲)

''وز جایہای دیگر چناں معلوم می شود کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کہ سرچشمہ اولیای کبار ومشائخ نظام دیار ہند است ومزار متبرک او در اجمیر	دوسری جگہوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز جو سرچشمہ اولیائے کبار اور دیار ہند کے نظام مشائخ ہیں اور جن کا مزار اجمیر میں

(۱) آئین اکبری، ج ۳، ص ۱۶۸۔ (۲) منتخب التواریخ، بدایونی، ج ۱، ص ۵۰۔

مراہ بود"۔ واقع ہے، اس بار سلطان کے ہم راہ تھے۔

ن کا بیان اس کے برخلاف ہے، دونوں سلطان قطب الدین زمانے میں حضرت خواجہؒ کا ہندوستان آنا بتاتے ہیں (۱) لیکن بیان کو درست تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی میں لکھتے ہیں (۲):

الدین چشتی سنجری پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان آئے اور م شروع کیا"۔

س طرح ہندوستان میں آنے کے زمانے کے بارے میں ے سن وفات میں بھی اختلاف ہے، سیر الاولیا میں حضرت خواجہ کا رف سن وفات ۶۳۳ھ دیا ہوا ہے، ابوالفضل نے ۶۳۳ھ سن ۵۳۷ھ دیا ہے، غلام سرور نے "خزینۃ الاصفیا" میں بھی یہی سن

ب بہ اتفاق وسی و ہفت ع الکمالات ب المرجب (۶۳۳) در ر"۔

آنجناب کی ولادت با سعادت بہ اتفاق اہل تواریخ سال پانچ سو سینتیس اور وفات ان جامع الکمالات کی دوشنبہ کے روز ۶ر ماہ رجب المرجب چھ سو تینتیس میں سلطان التتمش کے عہد میں واقع ہوئی۔

فیۃ الاولیا"، "گلزار ابرار"، "نثار اجمیر" اور "تاریخ فرشتہ" وغیرہ رج ہے (۴) لیکن "روضۃ الاقطاب" اور "مطلوب الطالبین" نے

۳۷، سیر العارفین، ص ۱۳-۱۲۔ (۲) تاریخ مشائخ چست، نظامی، ص ور، ج ۱، ص ۲۶۵۔ (۴) اخبار الاخیار، ص ۲۲، سفینۃ الاولیا، ص ۱۲۸، ۶۲، تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۷۷۔

اس سے اختلاف کیا ہے، مطلوب الطالبین کا بیان ہے: (۱)

"حضرت خواجہ معین الدین چشتی پیش از خواجہ قطب الدین وفات یافتہ نہ بعد از وی وفاتش (معین الدین چشتی) یکشنبہ ماہ رجب المرجب اثنی وثلاثین وستماۃ یعنی در سال ششصد وسی و دو (۶۳۲) واقع شد و وفات حضرت خواجہ (قطب الدین) پس از چند ماہ تاریخ چہاردہم ماہ ربیع الاول ثلث وثلاثین وستماۃ یعنی در سال ششصد وسی وسہ (۶۳۳) بود"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے حضرت قطب الدین سے پہلے وفات پائی تھی نہ کہ ان کے بعد، ان کی وفات یکشنبہ ماہ رجب المرجب ۶۳۲ھ میں ہوئی تھی جب کہ حضرت خواجہ (قطب الدین) کی وفات چند ماہ بعد ۱۲ر ربیع الاول ۶۳۳ھ میں ہوئی۔

"مرأۃ الاسرار" اور "معین الارواح" حضرت خواجہ کی وفات کے مذکورہ بالا دونوں سنین ۶۳۳ اور ۶۳۲ کی تردید کرتے ہوئے ان کا سن وفات ۶۲۷ بتاتے ہیں، مرأۃ الاسرار میں ہے کہ: (۲)

وفاتش روز شنبہ ماہ رجب در اثنی وثلاثین وستمایۃ (۶۳۲) چنانکہ از آفتاب ملک ہند پیدا می شود اما قول اول اصح، آزانکہ سلطان المشائخ و دیگر بزرگان ایں خاندان تصحیح نمودہ اند کہ خواجہ قطب الاسلام در ماہ ربیع الاول ثلث وثلاثین وستمایۃ (۶۳۳) وفات فرمودہ واز عبارت "دلیل العارفین" بہ لفظ خواجہ بزرگ کہ خواجہ قطب الاسلام نقل کردہ است چنانکہ نوشتہ است،

اگرچہ ان کی (قطب الدین بختیار کاکی) وفات جیسا کہ "آنجناب ملک ہند" سے تاریخ نکلتی ہے، ۶ر ماہ رجب ۶۳۲ھ میں ہوئی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ سلطان المشائخ اور اسی خاندان کے دیگر بزرگوں نے تصحیح کی ہے کہ ۶۳۳ھ ربیع الاول کے مہینے میں خواجہ قطب الاسلام نے وفات پائی تھی، "دلیل العارفین" کی عبارت میں خواجہ بزرگ کا لفظ جیسا کہ لکھا ہے خواجہ

(۱) مطلوب الطالبین (قلمی)۔ (۲) مرأۃ الاسرار، ص ۱۵۹، معین الارواح (قلمی)۔

گشت واز
ت کہ نقل
ب سبع و
ن سلطان
ہانہ واقع
بود اجمیر
ت چہل
ت''۔

قطب الاسلام کے لئے نقل کیا گیا ہے، یہاں سے اختلاف ختم ہوجاتا ہے اور ''کلمات الصادقین'' سے اس کی تحقیق ہوگئی کہ خواجہ بزرگ کی وفات ماہ رجب ۶۲۷ھ میں سلطان شمس الدین انار اللہ برہانہ کے زمانے میں ہوئی تھی، ان کی عمر شریف ستانوے سال کو پہنچ چکی تھی، اجمیر میں سکونت تھی، اس طرح اجمیر میں ان کا قیام چالیس سال کچھ ماہ رہا۔

ن میں تشریف آوری کے زمانے اور سن وفات کے تعین میں
د جن میں سے چند کی مثالیں اوپر دی گئی ہیں سب ہی تذکرہ نگار
لوشیخ عثمان ہرونیؒ سے خرقہ خلافت باون سال کی عمر میں ملا تھا،
ں کی عمر تک نیشاپور کے قریہ ہرون میں اپنے مرشد کی خدمت
مصار کا سفر بھی کیا تھا، باون سال کی عمر میں خرقہ خلافت ملنے
سط ایشیا کی سیاحت کرتے رہے، چنانچہ تذکرہ نگاروں کا بیان
، ہمدان، تبریز، خرقان، استرآباد، ہری، سبزوار، حصار، بلخ،
کئی بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ان سے فیض حاصل کیا، آخر
اور ملتان سے دہلی ہوتے ہوئے وہ اجمیر گئے تھے۔

کار نے اس پر غور نہیں کیا کہ سلطان معزالدین بن سام غوری
ے کر اجمیر اور دہلی پر قابض ہو چکا تھا، اجمیر میں اس کی طرف
داروغہ متعین تھا، اگر مورخوں اور تذکرہ نگاروں کے بیان کے
۶ھ یا ۶۳۳ھ مان لیا جائے تو وہ علی الترتیب ۵۹۱ھ یا ۵۹۲ھ
صوی راج کے عہد میں یا سلطان غوری کے ہم راہ ہندوستان آنا
ن غوری ۵۸۷ھ میں دہلی اور اجمیر فتح کر چکا تھا۔

اسی طرح اگر ''مرأۃ الاسرار'' کے دیے ہوئے سن وفات کو درست تسلیم کرلیا جائے یعنی ۶۲۷ھ تب بھی ان کا ۵۸۷ھ سے قبل ہندوستان آنا ناممکن ہی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس حساب سے وہ ۵۸۵ھ ہی میں باون سال کے ہوئے اور ہندوستان آنے سے قبل اوپر بیان کیے گئے جتنے شہروں کی انہوں نے سیاحت کی تھی، اگر ان کی مسافت اور فاصلوں اور اس زمانے کے ذرائع اور طریقہ سفر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اندازہ کیا جائے تو کچھ نہیں تو کم از کم آٹھ دس سال کی مدت اس سیاحت میں لگی ہوگی، اگر اتنی مدت نہ بھی لگی ہو تب بھی دو سال کے عرصے میں یہ سیاحت پوری نہیں ہوسکتی تھی کہ ۵۸۷ھ سے قبل یا ۵۸۷ھ میں وہ ہندوستان پہنچ سکتے، لہذا مورخوں کا یہ بیان کہ حضرت خواجہ پرتھوی راج کے عہد میں یا سلطان محمد غوری کے ہم راہ ہندوستان آئے، تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میر خرد یا ان کے راوی کو ''طبقات ناصری'' میں منہاج سراج کے اس بیان سے تسامح ہوا تھا۔(۱)

''سلطان غازی (معزالدین محمد بن سام غوری) دیگر سال لشکر اسلام جمع کردو بہ انتقام سال گزشتہ رو بہ ہندوستان نہاد ایں داعی از ثقہ ای شنید کہ از معارف تولک و جبال بود معین الدین لقب - او می گفت کہ من دراں لشکر با سلطان غازی بودم''	سلطان غازی نے دوسرے سال لشکر اسلام جمع کیا اور گزشتہ سال کے انتقام کے لئے ہندوستان روانہ ہوا، اس دعا گو نے تولک و جبال کے ایک ثقہ معارف سے سنا جس کا لقب معین الدین تھا، وہ کہتا تھا کہ میں اس لشکر میں سلطان غازی کے ساتھ تھا۔

سلطان معزالدین محمد بن سام غوری اور پرتھوی راج کے مابین ہونے والی جنگ کی روداد منہاج سراج نے تولک اور جبال کے معین الدین لقب کے جس ثقہ راوی کے حوالے سے نقل کی تھی، اسے میر خرد یا ان کے راوی نے غلطی سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی سمجھ لیا اور ''سیر الاولیا'' میں اس جنگ میں ان کی شرکت کا ذکر کردیا، ان ہی سے دوسرے مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے اپنے یہاں نقل کیا ہے اور یہ غلط روایت خواص وعوام میں شہرت پا گئی، بعض

(۱) طبقات ناصری، منہاج سراج، ج ۱، طبقہ ۱۹، ص ۴۰۰۔

طور پر اپنی طرف سے کچھ بڑھا بھی دیا ہے۔

خلافت پانے کی عمر اور تذکرہ نگاروں اور مورخوں کے بیان
اجا چکا ہے کہ سلطان معز الدین محمد بن سام غوری کے فتح دہلی و
ت خواجہ کا ہندوستان آنا ممکن نہیں ہوسکتا تھا، اس دعوے کے
تان آنے کے زمانے کے تعین کے لئے ایک معاصر شہادت
شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے، یہ شہادت حضرت خواجہ کے
کے قریبی ساتھی شیخ حمید الدین ناگوری (م ۶۷۳ / ۱۲۷۴)
ات کا مجموعہ ہے، اس میں ان کا بیان ہے۔(۱)

ب الدین شیخ معین در وقت کہ میاں گویند کہ ب الدین خت وہم پدر خواند ان دیگر در اجمیر ج الاسلام دیدن او

نقل ہے کہ جن دنوں شیخ نجیب الدین شیخ الاسلام دہلی تھے، وہ بھی شیخ معین الدین کے ساتھیوں میں تھے، یہ چالیس بار سلطان شمس الدین کے زمانے میں دہلی آئے تھے لوگوں کا بیان ہے کہ سلطان شمس الدین نے ان میں سے ہر ایک کو جائزہ گراں دیا، شیخ نجیب الدین نے اپنا سارا حصہ ایثار کر دیا اور دعوت کی، وہ دہلی میں رک گئے، سلطان شمس الدین نے انہیں اپنا باپ بنالیا اور شیخ الاسلام دہلی کا خطاب دیا، باقی میں سے ہر ایک کسی طرف کو چلا گیا، شیخ معین الدین نے اجمیر میں سکونت اختیار کی جب شیخ نجیب الدین

لائبریری مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ
کے مرید اور خلیفہ تھے، وہ شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے قریبی
ن چشتی یا حضرت بختیار کاکی کی طرف سے بھی خرقہ خلافت ملا تھا۔

بیامدی و شیخ بزرگ ہم در دہلی بماندی، تا می گویند کہ وقتی در مجلس دعوتی بود، ایں ہمہ بزرگان شیخ نجیب الدین، شیخ معین الدین و شیخ جلال الدین تبریزی و شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشی شیخ بزرگ نیز دراں مجلس بودند''

شیخ الاسلام دہلی تھے تو شیخ معین الدین ان سے ملنے ایک بار دہلی آئے تھے، شیخ بزرگ بھی دہلی میں رک گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ ایک بار کسی مجلس میں دعوت تھی، یہ سب بزرگ شیخ نجیب الدین، شیخ معین الدین، شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ بزرگ اسی مجلس میں تھے۔

سلطان شمس الدین التتمش ۶۰۷ / ۱۲۱۰ میں تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، حضرت خواجہ اس کے بعد ہی ہندوستان تشریف لائے ہوں گے، شیخ حمید الدین ناگوری کے بیان سے جہاں حضرت خواجہ کے ہندوستان آنے کے زمانے کا پتہ چلتا ہے وہاں تذکرہ نگاروں کے بعض بیانات کی تصدیق یا تردید بھی ہوتی ہے، اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت خواجہ اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے سن وفات میں تخلیط کا سبب ''دلیل العارفین'' میں شیخ بختیار کاکی کے لئے خواجہ بزرگ کے لقب کا استعمال تھا، شیخ حمید الدین ناگوری کے بیان سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت بختیار کاکی کو خواجہ بزرگ کہا جاتا تھا، شیخ حمید الدین ناگوری کے بیان سے اس کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی دونوں ایک ساتھ ہندوستان میں آئے تھے، دونوں میں سے کوئی پہلے سے اجمیر اور دہلی میں موجود نہیں تھا، حضرت خواجہ دو بار دہلی آئے تھے، پہلی بار غزنین سے چالیس ساتھیوں کے ساتھ جن میں سے شیخ نجیب الدین اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں رہ گئے اور خود حضرت خواجہ نے اجمیر میں سکونت اختیار کی، دوسری بار شیخ نجیب الدین کے شیخ الاسلام دہلی ہونے کے بعد ان سے ملنے دہلی آئے تھے، دہلی کے اسی دوسرے سفر میں جب انہیں حضرت بختیار کاکی کی تکلیف اور پریشانیوں کا علم ہوا تو وہ انہیں اپنے ساتھ اجمیر لے جارہے تھے لیکن عوام کے احتجاج اور سلطان کی مداخلت سے انہیں اپنا ارادہ بدلنا پڑا، اس انکشاف کے بعد کہ وہ سلطان شمس الدین التتمش کے عہد میں ہندوستان آئے تھے، ہندوستان میں ان کی مدت حیات جو تذکرہ نگاروں

ں کی تردید ہوتی ہے۔

حضرت خواجہ کا پرتھوی راج کے عہد میں یا معز الدین محمد سام کہ تذکرہ نگاروں کے بیان کردہ سن وفات اور خرقہ خلافت ممکن نہیں تھا اور تاریخی اعتبار سے یہ بیان غلط ہے (۱)، اس ں ہوتی ہے، دوسرے ۶۳۳ھ حضرت خواجہ کا سن وفات ت قطب الدین بختیار کاکی کی وفات ہوئی تھی اور یہی سلطان ا، ربیع الاول کے مہینے میں حضرت بختیار کاکی اور شعبان کے تھی، اگر اسی سن میں حضرت خواجہ نے بھی رحلت کی ہوتی سے تین بڑی شخصیتوں کا اٹھ جانا اس زمانے کی تاریخ کا تذکرے میں اس کا ذکر ضرور آتا، ''کلمات الصادقین'' کے ن وفات ۶۲۷ھ زیادہ قرین قیاس ہے۔

رف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، حضرت خواجہ عہ کلام چھوڑا تھا یا نہیں، اس کا تو بغیر ثبوت وشہادت کے ب کیا جاتا ہے اس میں بیشتر غزلیں ملا معین الدین مسکین شامل ہیں، جو ان کے مطبوعہ دیوانوں میں موجود ہیں، ملا یک عرصہ دکن میں رہنے کے بعد ایران چلے گئے تھے، منف تھے، ''حقا کہ بنا کے لا الہ است حسینؓ'' والا قطعہ بھی ب ہو کر شہرت پا گیا۔ (۲)

مولانا صباح الدین عبد الرحمان مرحوم نے کھل کر تو نہیں پردے اس بیان پر شک وشبہ کا اظہار کیا تھا، ''بزم صوفیہ''، ص ۵۷۔ مقالات شیرانی'' پروفیسر محمود شیرانی اور ''کارنامۂ نذیر'' مرتبہ

☆☆☆

اسلامی مدارس کے نصاب کا مسئلہ

علامہ شبلی نعمانی کے حوالے سے

از:- جناب ریاض الرحمان خاں شروانی ☆

مدارس اسلامیہ کے قیام کا اصلی مقصد مسلمان بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا ہے اور دین کی بنیاد قرآن مجید پر ہے، اس لئے ان مدارس کی تعلیم کا محور قرآن مجید ہے اور اگر نہیں ہے تو ہونا چاہیے، قرآن مجید بہت سے علوم وفنون کا منبع بھی ہے، صرف ان علوم کا نہیں جنہیں عام طور سے دینی علوم کہا جاتا ہے بلکہ ان علوم کا بھی جو دنیوی علوم سمجھے اور مانے جاتے ہیں، میرے ایک طالب علم نے کشمیر یونی ورسٹی میں اس موضوع پر تحقیق کر کے ایم-فل اور پی ایچ-ڈی کی ڈگریاں حاصل کی تھیں کہ عربی میں عہد عباسی تک دینی اور سماجی علوم کے آغاز وارتقا پر قرآن مجید کے کیا اثرات مترتب ہوئے، قرآن کی فہم اور اس کے احکام پر عمل حدیث سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں ہے، قرآن مجید کی سب سے جامع اور عملی تفسیر نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے اور حدیث مجموعہ ہے آپ ﷺ کے اقوال وافعال کا، قرآن مجید اور حدیث شریف کی روشنی میں استنباط مسائل کا علم فقہ کہلاتا ہے، اس طرح حدیث اور فقہ کا قرآن مجید سے براہ راست تعلق معلوم ومعروف ہے اور اس سے بھی ہم سب واقف ہیں اور یہ ہم سب کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید مکمل ضابطۂ حیات ہے، مکمل ضابطۂ حیات میں قانون، سیاسیات، معاشیات سب کچھ آجاتا ہے، اس لئے قرآن مجید میں ان سب کے مبادیات موجود ہیں لیکن قرآن مجید قانون، سیاسیات یا معاشیات کی کتاب نہیں ہے بلکہ وہ کتاب ہدایت ہے جس کا مقصد تہذیب اخلاق اور انسان کو بہتر انسان بنانا ہے، یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ بہتر انسان بنانے کا مقصود کیا ہے؟ زندگی اس

☆ حبیب منزل، میرس روڈ، علی گڑھ۔

ر جائے، میرے نزدیک یہ نکتہ اس لئے پیش نظر رہنا ضروری
یات یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ انسان کو بہتر انسان بنانا چاہتا ہے،
ہے لیکن انسان کی فلاح و بہبود کا دعوے دار وہ بھی ہے، اس
ے جوڑ دیتے ہیں تو یہ اسلام کی بنیادی خصوصیت بن جاتی ہے،
ں تاریخی واقعات جگہ جگہ بیان فرمائے ہیں، تاکہ انسان ان
و اعمال سے پرہیز کرے جو قوموں کی تباہی و بربادی کا
ے جس پر چل کر افراد وملل نے صلاح وفلاح حاصل کی اور اسی
تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر
ت اس کے انعام کے مستحق پائے اور ان لوگوں کی راہ سے دور
ں کے غیظ وغضب کا مستوجب بنایا، معاشیات وسیاسیات کا
گیا ہے کہ ہم ان کے قرآنی اصول ومبادی پر عمل پیرا ہوکر
ا سے بچیں، قرآن مجید میں مختلف علاقوں اور ملکوں کے محل
بھی ملتا ہے اور پھر ہمارے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ
حاصل ہوا اس کا ماحول، اس کی آب وہوا اور اس کے حدود
سان ندوی نے ارض القرآن تصنیف فرمائی ہے۔

اور تدبر پر جتنا زور دیا گیا ہے اس کا قدرتی نتیجہ مسلمانوں
ق، فلسفہ اور تصوف کو مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم کا حصہ
ج، چاند اور ستاروں کی گردش کا احوال ہے، ایک طرف ان
ور دوسری طرف تعیین اوقات میں مدد ملتی ہے، اس نے
ی طرف منعطف کی اور یہ علوم بھی مدارس کے نصاب میں
وعلم الابدان (علم کی دو قسمیں ہیں: دین کا علم اور حیوانی
علم سے مراد صرف دینی علم نہیں ہے بلکہ دنیوی علوم بھی اس
ہم اسے قرار نہیں دے سکتے؟

جہاں قرآن مجید کا اعجاز اس کے معانی ومطالب ہیں وہاں اس کا اسلوب بھی ہے، قرآن عربی مبین میں نازل ہوا ہے اور اس کے لئے عربی زبان کا وہ اسلوب منتخب کیا گیا جو صاحب وحی (ﷺ) کے قبیلے کا اسلوب تھا اور جسے اس وقت بھی عربی زبان کا بہترین اسلوب تسلیم کیا جاتا تھا، اس لئے عربی ادب وشاعری کا ذوق مسلمانوں میں پیدا ہونا لازمی تھا اور شاعری کا ذوق تو عربوں کا آبائی ورثہ بھی تھا، جب غیر عرب اسلام کے دائرے میں داخل ہونے لگے تو ان کے لئے عربی میں مہارت حاصل کرنا ناگزیر ہوگیا کیوں کہ اس کے بغیر نہ وہ تعلیمات اسلامی سے واقف ہوسکتے تھے اور نہ ان پر عمل کرسکتے تھے اور نہ ہی ملکی وانتظامی معاملات میں اپنا حصہ بٹا سکتے تھے، دنیا کی شاید ہی کسی اور زبان کی یہ خصوصیت ہو جو عربی کی ہے کہ اس کی گریمر سے واقف ہوئے بغیر اسے پڑھنا اور سمجھنا ممکن نہیں ہے، اس لئے اس زبان میں گریمر یعنی صرف ونحو کو اساسی اہمیت حاصل ہے، تاہم ہمارے علم کی حد تک ہندوستان میں ندوۃ العلما کی تحریک کے آغاز سے قبل غیر ضروری طور پر بہت زیادہ وقت صرف ونحو پر صرف کیا جاتا تھا اور عربی ادب وانشا کو نصاب میں اتنی اہمیت حاصل نہیں تھی جتنی ہونی چاہیے تھی۔

یہ سب علوم وفنون جن کا منبع ہمارے نزدیک قرآن مجید ہے، ان ہی کا دائرہ اتنا وسیع ہوجاتا ہے کہ چند سال کی محدود مدت میں طالب علموں میں ان سب کی مہارت پیدا کرنا تو علاحدہ رہا، انہیں ان سب سے واقف ہی کرنا امر دشوار ہے، اس مسئلے پر اس خطبے کے آخر میں کسی قدر اظہار خیال کیا جائے گا۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں میں جب ہندوستان اور دیگر ایشیائی وافریقی ممالک یورپین ملکوں کے زیر نگیں آئے تو وہاں کی زبانوں سے واقفیت اور ان کے ساتھ آئے ہوئے بعض جدید علوم و فنون سے آگاہی بھی ضروری ہوگئی اور یہ سلسلہ حصول آزادی کے باوجود آج تک جاری ہے، ظاہر ہے کہ ان سب کی سمائی مدارس اسلامیہ کے نصاب میں ممکن نہیں تھی، اس لئے جدید طرز کی درس گاہوں کی تاسیس لازمی ہوگئی، یہاں میں تھوڑی دیر کے لئے اس خطبے کے اصل موضوع سے کسی قدر انحراف کرکے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ علوم کی قدیم وجدید میں یہ تقسیم حالات کا لازمی تقاضہ تھی اور اس سے مفر نہیں تھا، دوسری بات یہ ہے کہ میں اس رائے سے پوری طرح متفق نہیں ہوں کہ ہماری قدیم تعلیم

معاش سے سروکار رکھتی ہے، یہ دونوں مفروضے میری رائے میں
ورد چین ممالک کے ایشیائی اور افریقی ممالک پر تسلط سے پہلے ان
ں اس کے فارغین ہی دنیوی امور بھی انجام دیتے تھے، وہ اپنے
اتے تھے، فوج کی سربراہی بھی کرتے تھے، عدل وانصاف کے
ں، صنعت وحرفت سے متعلق امور سے بھی عہدہ برآ ہوتے تھے
ت بھی استوار کرتے تھے۔

یم یافتہ افراد کے بارے میں یہ سوچنا کسی لحاظ سے مناسب نہیں
ور پر بے پرواہ رہتے ہیں، اس کے برعکس متعدد ایسی جماعتیں
ے ہے وہ بیشتر اپنے پیرو اور کارکن جدید تعلیم کی درس گاہوں سے
ے عالم دین کا یہ قول پڑھا تھا کہ آج قدیم طرز کی درس گاہوں
طرز کی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں سے
لاش کرنے سے پہلے یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس پر غور کرلیا
شبلی نعمانی سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔

اتنا بلند ہے کہ ان کے بیشتر مداحین ومعتقدین اس مینار کی ایک یا
ہیں، اس کی چوٹی تک پہنچنے کی ہمت بہت کم لوگ کرسکتے ہیں،
وں میں شمار کرتا ہے لیکن اس کا یہ دعوی ہرگز نہیں ہے کہ وہ ان کی
ی رسائی حاصل کرسکا ہے، اس کے لئے ان کی شخصیت کا سب
ی بلند نظری اور روشن خیالی ہے، ان کی یہ بلند نظری اور روشن خیالی
عبہ ہائے زندگی میں نمایاں ہوئی ہے، اس بات کو ان کے معتقد
طرح کہا ہے "ہر میدان میں اپنے ذوق وفکر کی ایک خاص اور بلند
ے باوجود ملاّیانہ طالب علم کی ملاّئیت کی پرچھائیں بھی ان پر نہیں
الک وآفات میں سے ہے، انہیں چھوکر بھی نہیں گئی تھی" (۱)،
اور یہی وہ نقش ہے جو انہیں اپنے بیشتر معاصرین ہی سے نہیں

متعدد اخلاف سے بھی ممتاز کردیتا ہے اور ان کے اسی نقش جمیل کا قتیل راقم الحروف بھی ہے، آیئے دیکھیں موضوع زیر بحث میں ان کی بلند نظری اور روشن خیالی سے ہم کیا فیض حاصل کرسکتے ہیں۔

راقم الحروف نے آج سے دس برس قبل اسی ہال میں کھڑے ہوکر علامہ شبلی کی شخصیت کے امتیازی پہلوؤں پر جو معروضات پیش کی تھیں، ان میں بالخصوص علامہ کی ایم-اے-او کالج علی گڑھ اور ندوۃ العلما لکھنؤ میں مساعی کا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی، ندوۃ العلما میں علامہ کا زیادہ تر سروکار نصاب کی اصلاح وتبدیلی سے رہا تھا اور اس میں بالخصوص انگریزی کی تعلیم کو شامل کرنے پر انہیں اصرار تھا، آخر وہ اس کے نصاب میں انگریزی کو شامل کرنے پر اس قدر مُصر کیوں تھے؟ کیا صرف اس لئے کہ اس سے ندوۃ العلما کے فارغین کو حصول معاش میں آسانی ہوجائے گی، ہمارے خیال سے نہیں، تاہم آج بیشتر دینی مدارس سے فراغت حاصل کرکے طلبہ حصول معاش ہی کی خاطر یونی ورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں، اس کے برعکس ان کا اصلی مقصد یہ تھا کہ انگریزی پڑھ کر ایک طرف ان کی رسائی دیگر جدید علوم تک ہوجائے گی، علی گڑھ میں رہ کر وہ اس کا تجربہ خود کرچکے تھے، سرسید احمد خاں اور پروفیسر آرنلڈ کی صحبت اور ان کے ذریعہ مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے مطالعے نے انہیں بہت فائدہ پہنچایا تھا، ان کے قلب کو آسودہ اور ان کے دماغ کو روشن کیا تھا، دوسرے وہ جانتے تھے کہ وہ نوجوان جو ایک طرف دینی علوم سے آراستہ ہوں گے اور دوسری طرف انگریزی اور اس کے ذریعہ جدید علوم سے واقف ہوں گے وہ اسلام کی خدمت ان لوگوں سے بہتر طور پر انجام دے سکیں گے جن کا علم صرف کسی ایک دائرے میں محدود ہوگا، تیسری طرف تحقیق کے جدید اصول اور جدید ٹیکنیک سے کام لے کر ہی ان محققین اور دانش وروں کے بے جا اعتراضات کا رد ممکن ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی نکتہ چینی کو اپنا شعار بناتے ہیں، یہاں میں یہ ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مستشرقین کے بارے میں خود میرا رویہ اتنا منفی نہیں ہے جتنا ہمارے علمائے کرام کا ہے، میرے نزدیک انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک وہ جنہوں نے ہمارے پوشیدہ یا گم گشتہ علمی خزانوں کی بازیافت کرکے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور دوسرے وہ جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، تاہم یہ سمجھنا درست نہیں ہوگا کہ علامہ شبلی ندوۃ العلما اور دوسرے دینی مدارس کے نصاب میں بس انگریزی کی شمولیت پر اکتفا کرتے تھے، اس کے برعکس ان کا سروکار اس سے کہیں زیادہ وسیع اور دوررس تھا،

و کے قریب مسلم تنظیموں سے اس کے روابط ہیں، اس سے ظاہر
جوانوں کی اصلاح وتربیت خاص طور پر اس کے پیش نظر ہے۔

ر کی میں ''القدس ۲۰۱۵ء'' ''آرکیٹکچرل ہیریٹج'' کے موضوع پر
اح فلسطین کے سفیر اور ارسکا کے ڈائریکٹر نے کیا، سیمینار میں
ے کے پروفیسر اور طلبا کے ذریعہ کیے گئے آثار قدیمہ کے تحقیقاتی
نے فلسطین کے آثار قدیمہ کے تحفظ کے لئے جو کوششیں کی تھی
ور کامیابوں کے جائزے کے لئے کیا گیا تھا۔

ع ہے کہ امریکی سائنس دانوں نے ۶۰ رواٹ کے بلب کو ۶۰ ر
نے کا کامیاب تجربہ کیا ہے، اس تھیوری پر کام کا آغاز اس سے قبل
وٹ آف ٹکنالوجی کے محققین نے کیا تھا، سائنس کی اس لاسلکی
اب برقی تار سے آزادی ملنے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔

سائنس دانوں نے ایک ایسا ڈیجیٹل کاغذ ایجاد کیا ہے جسے
ردہ خبروں سے مطلع کردے گا، اس کاغذ میں کنڈیکٹولنکس کا
سے اپنے اس مائیکروکمپیوٹر کو اطلاع دیتے ہیں جس میں ریکارڈ
لگے ہوئے انتہائی حساس اسپیکرز کی مدد سے خبریں بہ آسانی
دانوں نے اس پروجیکٹ کا نام ''فائبر سائنس اینڈ کمیونیکشن
ئے کاغذ کی اس نئی ٹیکنک سے ممکن ہے آیندہ ایجادات و
ئے، خصوصاً سگریٹ وغیرہ کی پیکنگ میں، اسے پینے والوں کو
کہ سگریٹ کا استعمال صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔

ں پر یہ خبر موجود ہے کہ کیلی فورنیا کی ایک دواساز کمپنی'' اوریکس
ایسا ٹیبلٹ تیار کیا ہے جو اب تک کی موجود دواؤں سے زیادہ
ں بتائی گئی ہے کہ اس کا استعمال دل کی بیماری، شوگر اور کینسر وغیرہ
امون کردے گا، مزے کی بات یہ ہے کہ یہ مرد وزن کے لئے

یکساں کارگر ہے، نیز کمپنی نے یہ دعوا کیا ہے کہ اس کے استعمال سے مریض پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

ماہرین کو آلو سے پلاسٹک بنانے میں کامیابی ملی ہے، آلو میں پہلی بار اس قسم کے اجزا معلوم کئے گئے ہیں، اس سے پہلے مکئی وغیرہ سے پلاسٹک تیار کی جاچکی ہے، اس ٹیکنک کو مینس مائیگریٹ چیز اسمتھ پالیسی سنٹر میں ترقی دی گئی ہے، رپورٹ کے مطابق اس نئی دریافت سے آلو کی پیداوار اور تجارت بڑھے گی اور کھاد کے علاوہ اس سے پلاسٹک بھی تیار کی جاسکے گی، جاپان اور برطانیہ نے آلو سے بعض چیزیں بنائی بھی ہیں، اس سے بنی ہوئی پلاسٹک میں موجودہ پلاسٹک کے مقابلے میں آلودگی کے عناصر کم ہوتے ہیں۔

''عہد عثمانی میں طبیعی اور عملی سائنس پر مشتمل لٹریچر کی تاریخ'' کے موضوع پر ارسکا نے ۲۰۰۶ء میں ایک کتاب شائع کی ہے، جو دراصل ''ہسٹری آف آٹومن لٹریچر آف سائنس سیریز'' کا ایک حصہ ہے جس میں اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں، رسالوں، مضامین، رودادوں اور قانونی دستاویزات کے بارے میں مکمل معلومات کا ذخیرہ ہے گویا عہد عثمانی (۱۹۲۳-۱۲۹۹ء) کے دوران اس کے دائرہ حکومت میں عملی اور طبیعی سائنس کے میدانوں میں انجام پانے والے تمام کارہائے نمایاں کا حسین مرقع ہے، فزکس، کیمسٹری، موسمیات، علم نباتات، علم الحیوان، علم الارض، انجینئرنگ، علم الزراعت، جنگلات، تعمیرات اور قیمتی پتھروں سے متعلق امور کو بہ طور خاص موضوع بنایا گیا ہے، کتاب کا قابل ذکر حصہ عربی اور فارسی کی ان اوریجنل کتابوں کے ترکی زبان میں ترجمہ پر مشتمل ہے جو اکثر عہد اسلامی کی ابتدائی صدیوں میں تصنیف کی گئیں تھیں، سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی انگریزی، فرنچ، جرمن، اٹالین تصنیفات کے ترجمے بھی ہیں، یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ ان ہی دو صدیوں میں یورپین طرز کے تعلیمی اداروں کو ترقی ملی اور جدید سائنس کو پڑھانے کا رواج بھی اسی زمانہ میں ہوا اور بعض اہم یورپین تصنیفات ترکی اور عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں، اس سیریز کے تحت اب تک علم الافلاک، علم الحساب، جغرافیہ، موسیقی، ملیٹری آرٹ اور سائنس کے موضوع پر کتابیں شائع کی جاچکی ہیں، آیندہ اسی سیریز کے تحت دواؤں کے خصائص، علاج معالجے اور دواسازی کے موضوع پر عہد عثمانی کا سائنسی لٹریچر فراہم کیا جائے گا۔

ک، ص اصلاحی

،اختیاری مضامین کا اضافہ تعلیم کے درمیانی مرحلے میں کیا جاسکتا
لئے مخصوص کردیا جائے یعنی اس مرحلے پر طالب علم اپنے ذوق کے
ث یافتہ) یا پھر عربی ادب وانشا میں دست رس حاصل کرے۔
محض ایک خاکہ ہے، اس میں رنگ مدارس اسلامیہ کے ماہرین
ں صورت میں مناسب اسٹاف کی فراہمی ایک بڑا مرحلہ ہوگا اور
ہر بعض وجوہ سے ماشاءاللہ۔
الی حالت بہت بہتر ہوتی ہے جس پر شاہدان کی شان دار عمارتیں
دونوں طرز کی درس گاہوں میں جتنی اہمیت عمارتوں اور ان کے
رے نزدیک ترجیحات کے غلط تصور کا نتیجہ ہے، جدید درس
ا ہے کہ وہ مادیت کا شکار ہیں لیکن جہاں روحانیت کا دور دورہ
ں قدر تبدیلی کرکے آمدنی کا بڑا حصہ تعلیم کو زیادہ سے زیادہ مفید
ں فراہم کرنے میں صرف کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے۔
و سمجھنا اور اس کے لئے ذہنی طور پر تیار ہونا ہے، اگر یہ آمادگی
اہ وہ کسی نوعیت کی ہوں، دور ہو ہی جاتی ہیں اور ہمارے
لاتے ہی نہیں، مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی نے اپنی
اور نابینا علماء میں بہت حسن وخوبی سے بتایا ہے کہ حصول علم
ے اسلاف کرام نے کس طرح قابو پایا تھا، ظاہر ہے کہ
لئے ان پر قابو پانے کے لئے نئے عزم وحوصلے کے ساتھ
نشان دہی علامہ شبلی نعمانی پہلے ہی کرچکے ہیں۔

حواشی

ان خاں شروانی: کاروان خیال، مدینہ پریس بجنور، ۱۹۴۷، ۹۳۔
طبع معارف، اعظم گڈھ، ۱۹۵۵، ۱۲۹۔

اخبار علمیہ

اخوان النظری محمد عمران نامی ملیشیا کے ایک طالب علم نے بائبل کے ورژن کے طرز پر ایک سافٹ ویر "پلے اسٹیشن قرآن" نام سے تیار کیا ہے، اس میں بچوں کے لئے تفریح اور عبادت (یعنی تلاوت قرآن) شامل ہے، اس ورژن کو بہ آسانی اپنے کمپیوٹر پر لوڈ کرنا ہم خرما وہم ثواب کے مصداق ہے، اس کا کہنا ہے کہ بائبل کی طرح قرآن مجید کا بھی اس قسم کا ورژن تیار ہوسکتا ہے جو نوجوان فضول اور لایعنی پروگرام اور انٹرنیٹ اور گیم کھیلنے میں اپنے قیمتی اوقات ضائع کرتے ہیں، یہ طریقہ قرآن مجید سے ان کی دل چسپی اور رغبت بڑھانے میں موثر ہوسکتا ہے، عرصے سے پوری دنیا کے مسلم گیمرز اس قسم کے ورژن تیار کرنے متفکر تھے۔

۲۳ ستمبر ۲۰۰۷ء کو یو، کے میں الہامی (آسمانی) کتابوں کی نمائش کا اہتمام کیا جائے گا اور اس میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت تینوں بڑے مذاہب کے ماننے والے اکٹھا ہوں گے، برٹش لائبریری نمائش میں تینوں مذاہب کی الہامی کتابوں کے متون مختلف اداروں اور لائبریریوں سے حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ نمائش بہت شان دار اور بے مثال ہو، قرآن مجید کے تین نادر نسخے رباط کی رائل لائبریری مریکو سے لائے گئے ہیں، نیز خانہ کعبہ سے وہ قرآن جس کو "کسوہ" کہا جاتا ہے اور سلطان ہیرس کا قرآن بھی اس کے لئے منگایا گیا ہے۔

مکہ کی ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ کے معاون جنرل سکریٹری نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ WAMY نے ام القری یونی ورسٹی مکہ میں بیرونی طلبہ کے لئے ایک کیمپ یا ورک شاپ لگانے کا پروگرام بنایا ہے، ان کے بہ قول WAMY کا یہ پروگرام اس لحاظ سے اہم ہوگا کہ اس میں طلبہ کو اپنی سیرت وشخصیت کو اس طرح ڈھالنے کا گر سکھایا جائے گا کہ وہ اشاعت اسلام کے کام میں قائدانہ رول ادا کرسکیں، WAMY نے پوری دنیا کے مسلم نوجوانوں کی خدمت اور مدد کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جس کے تھوڑے ہی عرصے میں اس نے چالیس سے زیادہ ملکوں

ز تعلیم کی بعض خوبیوں کا اعتراف کیا ہے وہاں ان کے
ں وقت ہمارا موضوع جدید تعلیم کی درس گاہیں نہیں ہیں
، اس لئے اظہار خیال ان ہی تک محدود رکھیں گے، اس
ہ امر اگرچہ بدیہی ہے کہ قدیم تعلیم میں سخت اصلاح
ہے کہ بڑے بڑے مقدس علما تک اس ضرورت کے قائل
ں کن تو نہیں ہے جتنی علامہ شبلی کے زمانے میں تھی لیکن
ملے میں وہاں تک بھی نہیں پہنچے ہیں جہاں بیسویں
حال آں کہ ایک صدی کی گردش کے دوران اور اس
ع اضافوں کے پیش نظر ہمیں اس سے کہیں آگے تک
ر ندوۃ العلما دونوں سے مایوس ہو کر دار المصنفین کی
زیادہ زوردار طریقے سے یہیں سے بلند ہونی چاہیے
جود کا جواز اپنے کو اپنے بانی کی فکر اور نصب العین سے
کے ناظم مولانا ضیاء الدین اصلاحی کا اس موضوع پر جو
ے میں شائع ہوا ہے اس سے امید بندھتی ہے کہ شاید
ساس ہے، راقم الحروف بھی علامہ شبلی کے ایک معتقد
سے اس آواز میں اپنی آواز ملانا چاہتا ہے۔

وع میں مدارس کے نصاب کے بارے میں اپنی جو
ں رائے سے مختلف نہیں ہیں" متعدد علوم وفنون کی
یعنی کہ جو فنون مقصود بالذات ہیں ان کو حاصل کرنے
عرض ہیں ان میں کم، اسی طرح علوم مقصود بالذات
ہیے یعنی جو علوم زیادہ مہتم بالشان اور ضروری ہیں وہ
کی روشنی میں ظاہر ہے کہ اولیت قرآن مجید کی تعلیم کو
یف کی تعلیم کو، ان دونوں کے بعد فقہ کا درجہ آتا ہے،

ادب وشاعری اور انشا اس لئے خاص توجہ کے مستحق ہیں کہ قرآن وحدیث کی فہم کے لئے بھی ان کا علم ضروری ہے اور ان کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے لئے بھی عربی ادب وانشا میں ممکنہ مہارت کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں ہے، یہاں بعض دوسری زبانوں سے واقفیت بھی لازمی ہو جاتی ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا، ہم سمجھتے ہیں کہ انگریزی کو مدارس کے نصاب میں داخل کرنے کی کوشش سے علامہ شبلی کا اصلی مقصد بھی یہی تھا، علاوہ ازیں ادب وشاعری کے انسانی ثقافت کا اہم حصہ ہونے سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، یہ سب مقاصد محدود وقت میں کیسے حاصل کیے جائیں، اس کا حل علامہ شبلی نے یہ تجویز فرمایا ہے کہ مقصود بالذات علوم کے حصول کی خاطر مقصود بالعرض علوم کے نصاب میں کمی کی جائے، اس ضمن میں یہ پہلے ہی عرض کیا جاچکا ہے کہ قدیم طرز تعلیم میں جتنا وقت صرف ونحو پر صرف کیا جاتا تھا اس میں کمی کرکے ادب وانشا کو زیادہ وقت دیا جاسکتا ہے، علوم عقلیہ جیسے کہ وہ مدارس کے نصاب میں داخل ہیں، اب بڑی حد تک از کار رفتہ ہوگئے ہیں اور ان کا مفہوم یکسر تبدیل ہوگیا ہے، اس لئے انہیں بھی نظر انداز کرنا مناسب ہوگا، جن علوم کی نشان دہی قرآن مجید کے حوالے سے اس خطبے کے آغاز میں کی گئی ہے، ڈیڑھ ہزار برس کی الٹ پھیر میں انہوں نے بھی ارتقا کے بہت سے منازل طے کرلئے ہیں، بہر حال ان سب علوم وفنون کا حصول کسی بھی طالب علم کے لئے ممکن نہیں ہے اور کہیں بھی ایسا نہیں ہوتا ہے۔

جو لوگ جدید تعلیم گاہوں کا تھوڑا تجربہ بھی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہاں مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، لازمی اور اختیاری، غالباً مدارس اسلامیہ نے یہ طریقہ ابھی تک اختیار نہیں کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ ہے، اس قابل کہ اس کا تجربہ مدارس میں بھی کیا جائے، بنیادی دینی علوم (قرآن، حدیث، فقہ) اور عربی ادب وانشا اور کوئی ایک ملکی اور ایک غیر ملکی زبان (ہمارے حالات میں ہندی رعلاقائی زبان اور انگریزی) کو لازمی مضامین کے زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے اور باقی علوم وفنون، جن کا ذکر اوپر ہوا، کو (سائنسی علوم کے اضافے کے ساتھ) اختیاری مضامین کے زمرے میں، ہر طالب علم کو اختیار دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے ذوق ورجحان کے مطابق ان میں سے دو یا تین (جیسا مناسب سمجھا جائے) مضامین کا انتخاب کرلے، مدارس میں مدت تعلیم میں کسی قدر اضافہ کرکے اور اس کو تین میقات میں تقسیم کرکے ابتدائی مرحلے میں صرف وہ علوم پڑھائے جائیں جنہیں

...ک

...نفین کی دونئی کتابیں

مخدومی ومکرمی اصلاحی صاحب

السلام علیکم

...اسلام صاحب کی معرفت ان کی تصنیف ''تعلیم، عہد اسلامی
...یعہ ڈاک آپ کی تصنیف ''مسلمانوں کی تعلیم'' موصول ہوئی،
...ں کو بہ درجۂ احسن پوری کرتی ہیں، خوشی کی بات ہے کہ اس کی
...ر رہا جو ابتدا ہی سے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سے دل چسپی
...ں کرتا رہا۔

...ں ہے، اس لئے تعلیمی معاملات ومسائل کے بارے میں کچھ
...اہرین تعلیم کے غور وفکر کی چیز سمجھتا ہوں لیکن آج کل جس شد
...صری تعلیم'' کے رائج کیے جانے پر بحث چل رہی ہے اور
...کالت کی جارہی ہے، اس سے یہ شبہ ضرور ہوتا ہے کہ
...کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
...ں کی متاع گم شدہ ہے، ازمنۂ وسطیٰ میں ان علوم کی مسلمانوں

میں مقبولیت کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ آپ فارسی قصائد اور انشا اس وقت تک صحیح طور پر پڑھا نہیں سکتے جب تک علم نجوم، علم ہیئت، علم طبیعیات، علم ریاضی، علم طب اور دوسرے سائنسی علوم کے الفاظ ومصطلحات اور ان کے معانی ومطالب سے واقف نہ ہوں لیکن بدقسمتی سے ہم نے خود ہی اپنے علمی سرمایہ کو کھودیا۔

عصری تعلیم کی ضرورت اور اس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں، مسلمان جتنا ہی زیادہ اس کی طرف مائل ہوں ان کے حق میں اچھا ہے کیوں کہ آج کے دور میں اس کے بغیر بحیثیت ایک قوم کے ترقی کرنا ممکن نہیں ہے لیکن اس کے لئے اسلامی مدارس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے حق میں نہیں ہوں کیوں کہ وہ بھی ہماری ضرورت ہیں، ہمیں صرف ڈاکٹر، انجینئر، ٹیکنوکریٹ اور سائنس داں ہی نہیں چاہیے بلکہ محدث، مفسر، مبلغ، خطیب، امام، موذن اور اسلامی علوم کے ماہرین کی بھی ضرورت ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو مغربی ممالک کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا مقابلہ زبان وقلم سے کرسکتے ہیں اور کررہے ہیں۔

اس کے علاوہ ہر مسلمان طالب علم کی دماغی اور ذہنی سطح یکساں نہیں ہوتی کہ وہ سائنسی علوم سے مناسبت پیدا کرسکے اور آج کے دور میں کسی بھی علم میں تخصیص یا مہارت حاصل نہ ہو تو اس کا حصول بیکار ہے۔

عصری علوم کی تعلیم کے لئے حکومت کے تعاون سے ہر شہر میں دو تین انٹر اور ڈگری کالج کھولے جانے چاہئیں، جن کا نصاب ونظام تعلیم علما کی مدد سے تیار کیا جائے اور جن کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو، جن شہروں میں مسلمانوں کے اسکول اور کالج پہلے سے موجود ہیں ان میں بھی وہی نظام ونصاب تعلیم رائج کیا جائے اور معیار تعلیم کو اونچا کیا جائے، تب ہی مسلمان صحیح معنوں میں تعلیم میں ترقی کرسکتے ہیں۔

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

نیازمند

محمد معتصم عباسی آزاد

ہندوستان کے تعلیمی مراکز

ءالدین صاحب اصلاحی دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اور کارکنان دارالمصنفین خیریت سے ہوں گے، سب کی
اکٹر سلمان سلطان صاحب، حضرت مولانا ابواللیث ندوی
رہا ہوں[1])، دوسرے اصلاحی[2] صاحب جن کے ہاں میں
ت گزار جو بس اڈہ تک مجھے پہنچانے آئے تھے، ان سب کی
، ۲۱ رفروری ۲۰۰۷ء کو گھر واپسی ہوئی، متعدد بار آپ کو
آدھی ملاقات کا شرف حاصل کر رہا ہوں، الحمدللہ آپ کی
رہتی ہے اور آپ کی میٹھی اور دلآویز باتیں کانوں میں گونجتی
فون کیا مگر بدقسمتی سے شرف کلام نہیں ہوسکا، کئی بار مجھ سے
پھر مجھے فرصت نہیں ملی، خیر جانے دیجیے یہ سب شکایتیں۔
نے بہترین قسم کی دعوت کی، کئی لوگ جمع تھے، علیگ صاحب
چاہتے ہیں مگر ابھی تک نہیں کر پائے ہیں، ان کے پاس
ران کی رہبری کی ضرورت ہے، میں نے ان کو کچھ مشورے
جدوجہد کرنے کا مشورہ دیا اور انہوں نے ہامی بھری پھر مئو

م صفات اصلاحی۔ [2] امان اللہ ونصیر الدین۔ [3] جناب نسیم

پہنچنا ہوا وہاں حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب محدث جلیل کے صاحب زادے سے ملاقات ہوئی، ڈاکٹر مسعود (مولانا کے نواسے) کے ہاں رات کا کھانا کھایا، رات کا قیام مدرسہ کے طلبہ کی لائبریری میں کیا، صبح سویرے ہوا خوری کے لئے نکلا تو کئی مدرسے دیکھ ڈالے، تین درس نظامی والے (حنفی مدرسے) اور تین اہل حدیث حضرات کے، حنفی مدارس کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع نہیں ملا، غالباً انہوں نے زیادہ توجہ بھی نہیں دی، اہل حدیث کے دارالعلوم بہت زیادہ فائق اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق تھے، آپ کے قول کے مطابق جو آپ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے انتقال کے موقعہ پر لکھا تھا جو آج ہی میں نے پڑھا اور اس خط کے لکھنے کا باعث بنا، آپ نے فرمایا ہے کہ "وہ نہ ملت کے جوانوں کی طرح مخیّرِ زمانہ تھا اور نہ پیرانِ کہن سال کی طرح بے گانۂ ایام"، اہل حدیث حضرات نہ ملت کے جوانوں کی طرح مخیّرِ زمانہ اور نہ پیرانِ کہن سال کی طرح بے گانۂ ایام" وہ زمانہ کے مزاج اور نفسیات کو زیادہ سمجھتے ہیں، ان سب نے میرا پرتپاک استقبال کیا اور میں اس میں اتنا کھویا کہ مولانا اعظمی صاحب کے مدرسہ میں لوٹنے میں کافی دیر ہوگئی اور ان کو ٹیلی فون سے اطلاع دینے کی کوشش کی مگر رابطہ نہ ہوا اور رہبر صاحب نے بھی ان کو میرے بارے میں کوئی خبر نہ دی تو وہ سب پریشان ہوئے اور ہر طرف ٹیلی فون کیا، جب میں واپس لوٹا تو سخت ڈانٹ پڑی، بجا ڈانٹ پڑی، کہنے لگے کہ "میں مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی کو ٹیلی فون کرنے والا تھا کہ آپ نے کس طرح کے مہمان کو بھیجا ہے" خیر میں نے معافی مانگی اور پوری تفصیل بتائی، وہاں دل نہ لگا، اسی دن انہوں نے بعد عصر پر تکلف ناشتہ کرایا اور ترش روئی کی معافی مانگی۔

مئو کے ایک مدرسہ میں جانا ہوا جو درس نظامی حنفی والوں کا تھا، مجھے بتایا گیا کہ اس کے سرپرست مولانا سعید الرحمان صاحب اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلما ہیں، اس مدرسہ کے شیخ الحدیث سے ملاقات کرنے گیا تو وہ مصروف تھے، بتایا گیا کہ بعد میں آنا، خیر بعد میں جانا نہیں ہوا۔

اہل حدیثوں کے مدرسوں میں مروجہ تعلیم کا اچھا خاصا بندوبست ہے، پھر ندوہ لوٹا "نصاب تعلیم پر" مولانا سلمان ندوی صاحب نے جو کانفرنس ملیح آباد میں بلائی تھی، اس میں شرکت ہوئی، کانفرنس تین دن تک چلی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا، سوائے قیل وقال اور اعتراض برائے اعتراض کے، اس میں بیرونی ملکوں کے بھی مندوبین تھے، ترکی، سعودی عرب، کویت، قازغستان

ور پاکستان کے نمایندے تھے، جمعیۃ العلما ہند کے صدر
د کے صدر ڈاکٹر عبدالحق صاحب، حضرت ناظم دارالعلوم
عو تھے، بہت سارے مہمان تھے، گرما گرم بحث نصاب
موقع ملا۔

اور معلومات سے پُر، سفر جنوبی ہند کا بنام خدا شروع ہوا،
، وہاں مولانا مشتاق ندوی کا قائم کردہ مدرسہ خصوصی
نا بھی دیکھا وہاں کی مختصر تاریخ معلوم کی، مولانا مشتاق
ارالعلوم تاج المساجد نے پوری ضیافت کی پھر اس کے
صاحب کی عیادت کی، وہ مکمل طور پر نابینا ہو چکے ہیں مگر
ں کے بعد تامل ناڈو چنائی (مدراس) جانا ہوا، وہاں پر
کا پتہ پہلے لے لیا تھا، وہ مولانا پاریکھ صاحب کے خاص
لئے انہوں نے کوئی زیادہ التفات نہیں کیا، میں نے جب
یوپی کے کئی دارالعلوم میں جانے کا تذکرہ کیا اور آیندہ کا
ے لوگوں سے ملنے اور دارالعلوم میں جانے کے بعد بھی
کے مدرسہ میں گیا تھا تو میں نے وہاں عرض کیا کہ مومن کا
کہ مجھے ٹھہرنے اور کھانے پینے کی کوئی حاجت نہیں،
اہوں، انہوں نے مجھے چائے پلائی، چائے تو میں نے
ں نے ان سے جماعت تبلیغ کا مرکز پوچھا اور دارالسلام
پہلے میں تبلیغی مرکز گیا، اس کو دیکھنے کے بعد اس کے بغل
(12th) دیکھنے کا موقع ملا، اس کے پرنسپل صاحب سے
اچھا لگا، تبلیغ والوں کو وقت کی ضرورت کا احساس ہے،
گریزی، تامل اور دیگر موضوعات کو داخل نصاب کیا ہے،
ں جگہ پر ریل سے اترا، وہاں ایک نوجوان ملے، کہنے لگے

کہ کیا آپ پرسنل لا بورڈ کے جلسے میں شرکت کے لئے آئے تھے، میں نے نفی میں جواب دیا اور سفر
کی غرض وغایت بتائی، وہ بہت ہی خلیق نکلے اپنی گاڑی سے دارالسلام عمرآباد تک پہنچایا، عمرآباد سے
میں نے آپ کو ٹیلی فون کیا تھا، اس عربی مدرسہ میں تعلیم وتربیت کا اچھا بندوبست ہے، نومسلموں
کے لئے الگ سے ٹھہرنے اور تعلیم وتربیت کا بھی معقول انتظام ہے، یہ لوگ غالی اہل حدیث
نہیں ہیں، زمانہ شناس، مردم شناس اور وسیع القلب ہیں، مہتمم صاحب ایک نیپالی مولانا صاحب
ہیں، مجھے اجنبیت اور غیریت کا احساس تک نہیں ہونے دیا، درجوں میں گیا، طلبۂ عظام ہر جگہ
ایک جیسے لگے، دارالسلام میں مجھے نومسلم طلبہ نے دو دن تک گھیرے رکھا، دوسرے طلبہ کو شکایت
ہوئی کہ مہمان سے ہمیں استفادہ کا موقع نہیں ملا، میں نے نومسلم طلبہ کی چائے پانی کے ذریعہ
خدمت کی اور کتابوں کا تحفہ پیش کیا، بہت ہی مخلص اور ایمان واسلام کی نعمت کے قدردان تھے،
خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت ولذت سے آشنا کیا، میں نے ان سب کو گلے لگایا
اور ان کے ہاتھ چومے، وہ آخری دن بس اڈے تک تقریباً دس کلومیٹر تک آئے اور مجھے رخصت
کر کے واپس ہوئے، دارالسلام والوں کے پاس اپنا ہسپتال بھی ہے، اس میں بہت مختصر رقم لے
کر علاج ہوتا ہے، انہوں نے بہت اچھی مثال قائم کی ہے، ایک خاص بات یہ دیکھی کہ ان کی
ایک مسجد کے امام حنفی المسلک قاری وحافظ تھے، وہ مسلک سے زیادہ صلاحیت کے قائل ہیں،
اس کے بعد بنگلور گیا وہاں مولانا سید مصطفےٰ رفاعی ندوی نے بہت رہبری کی ان کی وجہ سے بہت
سہولت ملی اور ان کے مشورے کے مطابق حضرت ٹیپو سلطانؒ کے دارالخلافہ سری سرنگا پٹن میسور
جانا ہوا، وہاں ضیاء اللہ شریف کا قائم کردہ دارالامور دیکھا، اس میں مختلف مدارس اسلامیہ کے
فارغ التحصیل مولویوں کو انگریزی، کمپیوٹر، حساب، سائنس اور عام معلومات کی اور انجینئر حضرات
کو عربی ودینیات کی تعلیم دی جارہی تھی، یہ بہت پسند آیا اور ایک نیا تجربہ سامنے آیا جس کا نقشہ و
سانچہ میرے دل ودماغ میں لداخ میں تھا، میں نے اسی طرز پر ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تھا
مگر وہ چند مولویوں کی مخالفت کی وجہ سے عمل میں نہیں آیا، اس نقشہ کی عملی تصویر میں نے سلطان ٹیپو
کے مزار کے پاس قائم شدہ مدرسہ میں عملاً دیکھی، اللہ تعالیٰ قوم کے ان محسنوں کو جزائے خیر دے،
اس میں جناب ضیاء اللہ شریف صاحب جیسے صاحب ثروت کے علاوہ ڈاکٹر قمرالدین صاحب

سے تفصیل سے بات ہوئی۔

یہ بے ریش اور یونی ورسٹیوں کے پروردہ لوگ ہمارے دینی
خلاق میں بہت بڑھے ہوتے ہیں، مجھ کو انہوں نے بنگلور سے
رایہ دیا، بنگلور میں مولوی یوسف ندوی فرشتہ رحمت نکلے، مولانا
ہوں نے اپنی موٹر سائیکل پر خوب گھمایا اور بہت ہی مدد کی، اللہ
لی امیر شریعت کرناٹک کے مدرسہ سبیل الرشاد میں بھی جانا ہوا،
کے علاوہ مدرسہ دار التوحید بنگلور میں بھی جانا ہوا، وہ ندوہ کے
ظ صاحب ملے، انہوں نے مدرسہ کی زمین خریدی ہے اور وہی
ت خلیق وملنسار تھے، مجھے ہدیہ پیش کیا، اس کے بعد بھٹکل جانا
ا، طلبہ سے خطاب ہوا (اوپر یہ بات رہ گئی تھی کہ میرا خطاب
کے سامنے بھی ہوا تھا) کرناٹک سرکار کا قائم کردہ Muslim
طلبہ وطالبات زیر تعلیم تھے، دار الامور کے مولوی حضرات صبح
ں کا اچھا خاصا اثر ہوتا ہے میں نے وہاں جا کر ایک دو کلاس
رنے کا موقع ملا، وہاں پر ہمارے دوست مولانا عبد الباری
کر انگریزی اور کنڑ زبان کی کما حقہ تعلیم نہیں ہو رہی ہے۔

صفائی کے معاملے میں کالجوں اور یونی ورسٹیوں سے بہت
ہ مشورے دیئے اور جامعہ فلاح کے نائب مہتمم صاحب کی
ت نہیں ہماری غلطیوں کی نشان دہی کی جائے، پھر بھٹکل کا
نام پر ایک لائبریری دیکھی، کتابیں کافی ہیں، پڑھنے والے
لج دیکھا، وہاں کیرلا کے ایک صاحب علم بہت ہی ملنسار و
ے رہے ہیں، بھٹکل میں خالص یمنی النسل اور بہت با اخلاق
ت میں شریک ہوا، خطبہ نکاح عربی میں ہوا، ایجاب وقبول

عربی ومقامی زبان میں ہوا، میں نے قاضی صاحب کو بتایا کہ کاش! آپ خطبہ نکاح کا ترجمہ اردو یا مقامی زبان میں کرتے تو بہت اچھا ہوتا، ہمارے علما کو موقع سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ بہت کم ہے، پھر بھٹکل کے قریب ایک گاؤں میں جانا ہوا، اس کا نام تنکن گونڈی ہے، اس کا مطلب ناریل ہے، بہت ہی غریب بستی ہے وہ عربی النسل مچھیرے تھے، ان کے ساتھ چھوت چھات کا سا معاملہ ہوتا ہے، ان کے ساتھ شادی نہیں ہوتی ہے، میں نے ان لوگوں کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی، بہت ہی خلوص سے ملے، ان میں غربت بہت اور تعلیم کی بڑی کمی ہے۔

مولانائے محترم!

غریب مسلمان کہیں کے بھی ہوں ان کے حالات بہت دگرگوں اور وہ بے چارے بڑی کس مپرسی کی حالت سے دوچار ہوتے ہیں۔

بھٹکل کے بعد دار العلوم ندوہ واپسی ہوئی اور پھر دار العلوم دیوبند میں حاضری ہوئی، دورہ حدیث کے چھ درس میں شامل ہونے کا موقع ملا بہت ہی اچھا لگا، تقریباً آٹھ سو طلبہ دورہ حدیث میں تھے، دو روزہ قیام کے دوران حضرت مولانا سالم صاحب مہتمم دار العلوم وقف، حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب مہتمم دار العلوم کی عیادت کرنے کا موقع ملا، دیوبند کے بارے میں بہت ساری غلط فہمیاں دور ہوئیں، انہوں نے اب Department of Eng کھولا ہے اس میں کچھ طلبہ ملے، وہ عربی وانگریزی بولتے تھے۔

اس کے بعد پھلت جانا ہوا مولانا کلیم صدیقی صاحب جامعہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے روح رواں اور بانی ہیں، غیر مسلموں میں دعوت کے حریص اور عملی داعی ہیں، تقریباً ۵۰ علما کو ٹریننگ دی جارہی تھی کہ دعوت کا کام کیسے کیا جائے، اس کے بعد دہلی تبلیغ کے مرکز آنا ہوا، اس کے بعد ہریانہ Jajjar جانا ہوا جہاں پر میرا ایک بیٹا پڑھتا ہے، Kindiyara ودھیالہ میں، وہاں طلبہ سے خطاب کرنے کا موقع ملا، Jajjar اور Bahadurgarh ہریانہ میں مسجدوں کا حال بہت خراب ہے چند مسجدوں کو بہاریوں اور میواتیوں نے آباد کیا ہے باقی مسجدیں غیروں کے قبضے میں ہیں، یہاں ایک بھی مقامی مسلمان نہیں ہیں، سب پاکستان چلے گئے ہیں، اس سے دل پر ایک چوٹ لگی کہ مسلمانوں نے اپنا مقصد حیات کھو دیا ہے اور وہ غیروں کے نقش قدم پر چل

یہ اور J.N.V. University دیکھی، بہت سے ہال
ط دیکھا جس کو دیکھ کر شیطان بھی شرمائے گا، اس کے بعد
س دورہ سے ایک بات کھل کر سمجھ میں آئی کہ جب تک
اٹھ کر کام نہیں کریں گے ہر جگہ ناکامی کا منہ دیکھیں گے،
تے ہوئے رسول اللہ ﷺ، صحابہ وتابعین، ائمہ محدثین و
امران وبامراد ہوں گے، وَ لَا تَهِنُوا وَ لَا
تُمْ مُؤْمِنِيْنَ ۔

والسلام
آپ کا خیر اندیش
دعا جو و دعا گو
محمد عمر ندوی

رمایئے! آپ کو پوری داستان سنائی، آپ سے بہت
یل اور سفر کی روداد تحریری شکل میں صرف آپ کو لکھا)
محمد عمر ندوی

یا جامع عبدالرزاق

رجناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نف عبدالرزاق اور جامع معمر ابن راشد کے متعلق راقم
یں ڈاکٹر مسعود الاعظمی نے جون ۲۰۰۷ء کے شمارے
چند باتیں عرض کرنی ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

راقم نے واضح کیا تھا کہ دونوں مرحوم محققین اپنے اپنے موقف پر قائم رہے، اس لئے یہ اب بھی موضوع بحث وتحقیق ہے کہ آیا مصنف عبدالرزاق کی کتاب الجامع، جامع عبدالرزاق ہے یا جامع معمر ابن راشد۔ (معارف اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۳۰۸)

یہ ایک علمی بحث تھی اور مزید تلاش وتفحص کی ضرورت تھی کہ فاضل محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جن دو مخطوطات کا ذکر کیا تھا اب وہ کس حال میں ہیں اور انہوں نے جن ترک محققین یا مستشرقین کا ذکر کیا تھا کہ وہ ان کی طبع واشاعت کی فکر میں تھے، وہ شائع ہوئے یا نہیں یا اب ان کا موقف کیا ہے، مگر افسوس کہ اس علمی بحث وتحقیق میں نہ پہلے علمی اور معروضی طرز اختیار کیا گیا تھا اور نہ اب ڈاکٹر مسعود الاعظمی نے سنجیدگی سے کام لیا ہے بلکہ ان کے مضمون میں جابجا سطحیت و رکاکت بھی جگہ پا گئی ہے، وہ چیں بہ جبیں ہیں کہ مجھے البعث الاسلامی میں شائع مضمون پڑھے بغیر اس بحث میں نہیں پڑنا چاہیے تھا حالاں کہ میں نے ڈاکٹر صہیب صاحب کے خلاصے پر اکتفا کیا تھا اور اس کی تصریح بھی کردی تھی، اب خود مسعود الاعظمی صاحب نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسے فاضل محقق کے رد کے لئے اصل دلائل (مطبوعہ) الرشاد دیکھنے کی بجائے ڈاکٹر صہیب صاحب کے خلاصے پر اکتفا کیا ہے، جو باتیں انہوں نے البعث کے حوالے سے میرے متعلق لکھی ہیں وہی باتیں براہ راست الرشاد سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ سے خود ان پر بھی عائد ہوتی ہیں کہ کیا الرشاد کوئی عنقا قسم کی چیز تھی۔

راقم نے اپنے مراسلے میں لکھا تھا کہ مولانا الاعظمیؒ نے ڈاکٹر صاحب کے دلائل رد کرنے کی بجائے اپنے موقف کی تائید میں مزید دلائل فراہم کیے، اب یہی بات ڈاکٹر مسعود الاعظمی کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر حمید اللہ کے دلائل کا سرے سے مطالعہ ہی نہیں کیا تو وہ اس کے جوابات کیا لکھتے، انہوں نے بھی اپنے پیش رو بزرگ کی طرح محض بے وزن دلائل فراہم کیے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ چند بوسیدہ اوراق سے بھی وہ استدلال کرتے ہیں۔

البعث الاسلامی میں محدث جلیل کا جو مضمون شائع ہوا تھا، اس کے متعلق انہیں عرصے تک اشتیاق رہا کہ آیا اس سلسلے میں محقق جلیل ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا کیا موقف رہا (دارالعلوم مئی ۱۹۹۵ء، ص ۲۹ بحوالہ معارف ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۹۶) مگر ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں

وہ معارف اور بعض دوسرے رسائل میں علمی مراسلے لکھتے
کیا وجہ ہوئی کہ پھر انہوں نے اس سلسلے میں کبھی اظہار خیال
سلسلے میں محدث جلیل نے جو انداز تحریر اختیار کیا تھا غالباً اس
نے خاموشی اختیار کر لینے ہی میں عافیت محسوس کی، مثلاً ڈاکٹر
ے استشراق کا نتیجہ قرار دیا اور نہایت نامناسب انداز میں
و، وہ لکھتے ہیں:

اق کی آخری کتاب کتاب الجامع کو جامع معمر قرار
دیثوں کو بہ روایت معمر پا کر اپنے استشراق کے زور
لیا، وہ اور کچھ نہیں پوری کتاب الجامع کو حرفاً حرفاً
ئے ان کو خود شرم محسوس ہوتی"۔ (ماہنامہ الرشاد،
)

ب ماہنامہ الرشاد میں شائع ہوا تھا تو اس کے فاضل مدیر
ایک نوٹ لکھا، جس میں مولانا الاعظمی کے بعض دلائل کو کم
اور شکوہ کیا ہے کہ مولانا الاعظمی نے جو غصہ کا انداز اختیار
(الرشاد، مئی ۱۹۸۳، ص ۴۷)

بد اللہ صاحب نے نہایت سنجیدگی سے اپنے دلائل دیئے

ے باوجود میں ہی غلطی پر ہوں اور کتاب الجامع کے
ہوں لیکن اس کے خلاف رائے رکھنے کو استشراق
ں علام الغیوب سے استغفار کرتا ہوں اور دعا کرتا
مستقیم"۔ (الرشاد، جون و جولائی ۱۹۸۳، ص ۲۷)

وبیش یہی انداز و اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور اب ڈاکٹر
ے جو اس بحث کے خاتمے کے لئے ناکافی ہے اور مزید تحقیق

وجستجو کی متقاضی ہے مگر اس کے باوجود میں خود اس بحث سے ہاتھ اٹھاتا ہوں، اس لئے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسا نیک دل اور بزرگ محقق مطعون کیا جا سکتا ہے تو پھر اس ہیچ مداں کی کیا حیثیت۔

والسلام

محمد الیاس الاعظمی

معارف: مولانا حبیب الرحمان الاعظمیؒ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے درمیان یہ امر متنازع ہو گیا تھا کہ مصنف عبدالرزاق کے آخر میں شامل جامع اس کا حصہ ہے یا وہ عبدالرزاق کے استاد معمر بن راشد کی جامع ہے، مولانا کے نزدیک وہ مصنف کا حصہ اور ڈاکٹر صاحب اسے معمر بن راشد کی جامع قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر مسعود الاعظمی مولانا حبیب الرحمان الاعظمی کے نواسے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ آخر میں ڈاکٹر حمید اللہ مولانا الاعظمی کی رائے سے متفق ہو گئے تھے، اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مولانا کا اس سلسلے کا آخری مقالہ جو البعث الاسلامی لکھنؤ میں شائع ہوا تھا وہ ڈاکٹر صاحب کی نظر سے ضرور گزرا ہوگا مگر انہوں نے اس کے جواب میں کوئی مقالہ سپرد قلم نہیں کیا، راقم کے خیال میں ڈاکٹر صاحب کی نظر سے چاہے البعث الاسلامی کا مضمون گزرا بھی ہو تب بھی وہ اس کی دلیل نہیں کہ ڈاکٹر صاحب مولانا الاعظمی کی رائے سے متفق ہو گئے تھے، کبھی آدمی اس لئے بھی خاموش ہو جاتا ہے کہ وہ مخاطب سے مایوس ہو جاتا اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی بات کی بیچ کر رہا ہے، اس لئے اس کی بات نہیں مانے گا اور اب اس سے مزید بحث بے کار ہے، یہاں قرینہ یہی معلوم ہوتا ہے، پھر ڈاکٹر صاحب کے موقف کی تبدیلی اسی وقت قابل قبول ہوگی جب ڈاکٹر صاحب کی کوئی واضح اور صریح تحریر اس کے ثبوت میں پیش کر دی جائے۔

بہرحال اب معارف میں اس موضوع پر مزید بحث کی گنجائش نہیں، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے تو سپر ڈال ہی دیا ہے۔

☆☆☆

ڈ

ز جناب شاہد ماہلی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت،
۲۷۱، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: غالب انسٹی ٹیوٹ،

ے

میں ایک دل چسپ مقام، مقامات غالب بھی ہے، رجال
نے دہلی، آگرہ، لکھنؤ، بنارس، کلکتہ جیسے مقامات سے اعتنا
پور کی اہمیت بھی کم نہیں، غالب انسٹی ٹیوٹ نے ان شہروں
یے، زیر نظر کتاب میں رام پور کے غالب سمینار کے مقالات
والے سے بائیس اہل قلم نے موضوع کا شاید ہی گوشہ تشنہ
حسن عابدی اور پروفیسر خلیق انجم کے ایسے ہیں جن میں
کے مقالے سے یہ بحث شروع ہوتی ہے کہ رام پور سے
ابھرتی ہے جس میں معاشی اور جذباتی عناصر کے علاوہ
معمور سطح کی استواری بھی ظاہر ہوتی ہے، نثار احمد فاروقی
کی جانب توجہ دلائی ہے جن کا ذکر مکاتیب غالب مرتبہ
ے، باقی اور مضامین میں والیان رام پور سے متعلق غالب
احباب وتلامذہ ومعاصرین وغیرہ پر جدا جدا رنگ میں
میں غالبیات کے ذخیرے پر ابوسعد اصلاحی کا مضمون
ہے، فاضل مرتب کا یہ خیال درست ہے کہ ''یہ کتاب
ت کی حامل ہے اور اس کا شمار غالبیات کی اہم کتابوں

میں ہونا چاہیے''۔

عبدالمطلب ہاشمی: از پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع خوب صورت گرد پوش، صفحات ۱۲۰، قیمت ۵۰ روپے، پتہ: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۷۸۱، حوض سوئی والان، نئی دہلی، نمبر-۲۔

رسول اکرم ﷺ کے جد امجد عبدالمطلب کی اہمیت، سیرت نگاران رسول ﷺ کی نظر میں صرف اس لئے ہے کہ وہ ان شخصیتوں میں ہیں جن کی تربیت نے جناب رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں ہی شخصیت سازی کے اثرات مرتب کیے لیکن یہ اہمیت کبھی کبھی تقدس کے اس مقام سے جاملتی ہے جو بہ قول فاضل مصنف ''تاریخ وسیرت دونوں کو مسخ کردیتا ہے'' ان کو یہ احساس بھی ہے کہ مصادر میں کافی مواد کے باوجود عبدالمطلب کے بارے میں سیرت نگاروں نے معلومات کم ہی فراہم کیے، توجیہ جو بھی ہو لیکن وہ اس مختصر نویسی کے جواز کے لئے کافی نہیں، اس کمی کی تلافی کے لئے اس کتاب میں جناب عبدالمطلب کے خاندانی پس منظر، مکہ میں ان کے مناصب، جنگی اور مالی حکمت عملی، بیرونی اسفار، اکابر قریش سے تعلقات، ازدواجی بندھن اور ان کے آثار وباقیات پر سیر حاصل بحث کے علاوہ آنحضور ﷺ اور جناب عبدالمطلب کے رشتوں کے ہر جزیئے پر نظر کی گئی ہے، یہ مطالعہ بڑا دل چسپ ہے، مثلاً دادا نے اپنے بعد حضور اکرم ﷺ کی کفالت کی جو وصیت فرمائی اس کی روشنی میں سیرت نگاروں نے بالعموم صرف جناب ابوطالب کو کفیل قرار دیا لیکن فاضل مصنف کی نظر میں حضرت زبیرؓ بھی سگے چچا ہونے کے لحاظ سے راست مربی اور کفیل خاص تھے لیکن سیرت نگاروں نے متداول اور درایتی معیار کے عین مطابق روایتوں کو نظر انداز کرکے کم زور بیانوں کو زیادہ ترجیح دی، اسی طرح جناب عبدالمطلب کے بیان میں ان کے دین ومذہب کی بحث بھی بڑی اہم ہے کہ خوش بیان راویوں نے ان سے ایسے عقائد منسوب کردیے جو اسلام اور قرآن کا عطیہ ہیں، حالاں کہ بہ قول مصنف ان کی موت جاہلیت پر ہوئی، اسی طرح عبدالمطلب اور ان کے آباواجداد کے ناموں کے متعلق بحث بھی معلومات انگیز ہے کہ ہاشم کا اصل نام عمرو، عبدمناف کا مغیرہ، قصی کا زید اور خود عبدالمطلب کا اصل نام عامر تھا، اصل ناموں کی یہ گم شدگی فاضل مصنف کے خیال میں ''راویان خوش بیان کی فرط عقیدت وملمع سازی

پیدائش کی تعیین میں سیرت نگاروں سے اختلاف اور ترجیح کی
کہنا کہ ہاشم کی پہلی بیوی ہند بنت عمرو خزرجی کا ذکر جان بوجھ
میں بتائی گئی، اس نکتہ پر بار بار زور دیا گیا کہ شخصیت پرستی کی
کی روایتوں اور کہانیوں کو قبول کر کے رواج دیا اور وہ اب
ت سمجھی جاتی ہیں، یہ شاید زیادتی ہے، عبدالمطلب کی نذر
کی قربانی کا قصہ یقیناً خوش عقیدگی کی مثال ہے لیکن جب
کہانی مانتے ہیں تو بعد کے قصہ گویوں کے تائیدی اعتبار کا
تامل نہیں کہ اس کتاب سے عبدالمطلب ہاشمی کی شخصیت
ح شکل میں سامنے آتی ہے، فاضل مصنف نے جزئیات
یق کا بہترین نمونہ ہے۔

سرنثار احمد فاروقی مرحوم، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و
ت ۶۰ روپے، پتہ: ادارہ نشر و اشاعت، جامع ا

کے حالات وملفوظات میں فوائد الفواد، درر نظامی اور
یت سے ہے، اس فہرست میں قوام العقائد نامی ایک
ے بھی ہے کہ زمانی اعتبار سے یہ فوائد الفواد کے بعد آتی
خواجہ قوام الدین معروف بہ شمس العارفین نے اس کی
شکل میں محفوظ لیکن عام نگاہوں سے مستور تھی، فاضل
سے سلیس ترجمہ اور بعض ضروری حواشی کے ساتھ رسالہ
تابی شکل میں ہمارے سامنے ہے، پہلے باب میں جن
شروع ہوتا ہے، اسی سے روایات وملفوظات کے نہج کا
توں کے شیخ، دنیائے حقیقت کے نظام جو اپنے مردہ
سے خضر و مسیح کا مرتبہ رکھتے ہیں ..... چوں کہ ان

کے دہن سے الہامی باتیں نکلتی ہیں، ان کا الہام بھی وحی کا قائم مقام ہے" اس کے بعد کثرت
سے ایسی روایتیں ہیں جن سے حضرت نظام الدین اولیا کے علم و عمل اور اصلاح و تربیت کے
مختلف مدارج کا اندازہ ہوتا ہے، ان روایتوں میں لذت وحلاوت بھی ہے اور سامان بصیرت بھی،
خواجہ صاحب کے بعض اقوال آخری باب میں جمع کیے گئے ہیں جیسے یہ کہ "دلوں کے اعمال کا
ایک ذرہ اعضا کے اعمال کے پہاڑوں سے بھی افضل ہے"۔

سوانح حیات حضرت مولوی محمد سعید خاںؒ: از جناب آزاد رسول،
متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۲۸۸، قیمت ۱۶۵ روپے، پتہ: ادارہ
تلاش حق ۱۱۹، نور نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

اعظم گڈھ کے ایک گاؤں نوناری کے ایک سیدھے سادے، خاموش، کم آمیز انسان اور
شبلی اسکول کے عربی مدرس مولوی محمد سعید خاں جب ایک مجددی بزرگ حضرت حامد حسن العلوی
کے دامن سے وابستہ ہوئے تو تزکیہ نفس اور عروج روحانی میں ان کی ریاضت ایک مثال بن گئی،
اپنے سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت میں وہ تا عمر مجسم جد و جہد ہو گئے، ان کے اخلاص و برکت سے ان کا
سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ ہندوستان اور بیرون میں کثرت سے اس کے مراکز قائم ہوئے، ان اسلاف
کے برخلاف جو گوشہ نشین ہوتے اور تجرد کی زندگی گزارتے ہیں، مولوی صاحب نے متاہل اور
ملازمت کی زندگی کے باوجود بہ قول مصنف محترم اسلاف کی طرح ولایت و تقرب کے اعلا
درجات حاصل کیے بلکہ اس سے بھی آگے کی خبر لائے، پوری کتاب اسی اجمال کی دل کش تفصیل
ہے، احیائے تعلیم طریقت، تصوف اور عصر جدید کے تحت مولوی صاحب کے منہج رشد و ہدایت کو
عقیدت کی زبان میں بیان کیا گیا ہے، گرچہ یہ احساس بھی ہے کہ چوں کہ تصوف کی تعلیم، ائمہ
ہدایت کے روحانی اثرات سے طالبین کے باطن کی تربیت کا نام ہے، اس لئے تحریری شکل میں
پیش کرنا ممکن نہیں، مگر حقیقت یہی ہے کہ مسائل تصوف کو اس میں بڑی آسانی سے بیان کیا گیا
ہے، فاضل مرتب جدید تعلیم کے نمائندے ہیں، فلسفہ سے خاص تعلق رہا، ڈاکٹر ذاکر حسین اور
ڈاکٹر عابد حسین جیسے دانش وروں کی تربیت میں رہے لیکن ذہن کی تمام گتھیاں حضرت مولوی سعید
خاں مرحوم کی توجہات سے حاصل ہوئیں، ان کے قلم سے اپنے مرشد کی سوانح اور تعلیمات کا یہ

ں کا نتیجہ نہیں، اس کی عمدہ مثال خاص طور پر تصوف اور عصر جدید کے عنوان
ض مقامات پر ایسی باتیں آگئی ہیں جو ظاہر بینوں کے لئے عجیب ہی کہی
ں کہ" حضرت والا میں لطافت حد درجہ تھی، کوئی مریض قریب آکر بیٹھتا
"، یہ کہنا بھی شاید کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی تصوف
ن جانے کے بعد قائل ہوئے، بعض روایتیں تنقیح طلب ہیں، مثلاً یہ کہ
طرف سے القاء ہوا کہ نماز کی پابندی ہٹائی جائے تو آپ نے دعا کی
، اس لئے پابندی نہ اٹھائی جائے یعنی ہوش میں رکھا جائے، فاضل
، جا ملے ہیں لیکن امید ہے کہ اس کتاب اور ان کے ادارہ تلاش حق کے
اضافہ ہوتا رہے گا۔

ارک: از جناب سید مبارک شاہ جیلانی، ترتیب وتہذیب
اہ جیلانی، قدرے بڑی تقطیع، کاغذ وطباعت عمدہ، صفحات ۵۱۸،
پتہ: مبارک اردو لائبریری، محمد آباد، تحصیل صادق آباد، پاکستان۔

ل پور علاقے کے ایک بالکل غیر معروف گاؤں کی ہی ایک غیر معلوم
ں کا یہ مجموعہ اصلاً ایک کشکول ہے جس سے قریب ایک صدی قبل کے
ں سے زیادہ ادب اور ادیبوں سے محبت وعقیدت کے ایسے مسرت بخش
ہیں کہ سینکڑوں صفحات کی ورق گردانی کے بعد طبیعت سیر نہیں ہوتی،
لاقے میں تھے جہاں اردو ادب کیا اردو سے ہی ناواقفیت تھی لیکن ایسے
اتی استعداد سے اپنے معیار ومذاق علم وادب کو ایسا بلند کیا کہ زیر نظر
ریر مہدی افادی جیسے انشا پرداز کی یاد دلاتی ہے، اردو کی محبت کی وجہ
کتے تھے، نیاز فتح پوری سے اتنے متاثر تھے کہ اس زمانے میں دور دراز
ت کرتے ہوئے وہ بھوپال پہنچے، وہاں سے لکھنؤ آئے، وصل وریاض
ادبس پڑھنے کے لائق ہے، مولانا آزاد اور مولانا دریابادی سے اتنے
تے کا نام ان کے نام پر رکھا، "معارف" کے وہ اولین خریداروں میں

تھے، دارالمصنفین کی طرز پر اپنے علاقے میں ادارہ قائم کرنے کی خواہش تھی، مبارک لائبریری کے
نام سے اس کا آغاز کیا تو اس کے دستور میں لکھا کہ دارالمصنفین کا ناظم ہمیشہ اس کا ممبر ہوگا اور مولانا
سید سلیمان ندوی اس کے ممبر بھی رہے، رئیس احمد جعفری کے لئے کوشش کرتے رہے کہ وہ ان کی بستی
کے جوار میں بسیں، زندہ دلی، خوش مزاجی، عقل پرستی اور مذہبی غلو اور بندشوں سے آزادی اور سب
سے زیادہ مزاح کی نفاست کے جو مرقعے اس کتاب میں پیش کیے گئے ہیں وہ واقعی ان کو مہدی ثانی
بناتے ہیں، سندھی اور سرائیکی کی سرزمین سے نگارستان نامی رسالہ نکالا اور اس کی ادارت کے لئے
روش صدیقی کا انتخاب کیا، اقبال کے کلام کا انتخاب ایسا کیا کہ رئیس احمد جعفری نے لکھا کہ اس سے
اچھا انتخاب نہیں کیا جاسکتا، اس کتاب کے مرتب نے لکھا کہ" وہ مرحوم اول وآخر اردو تھا" یہ مرتب
کوئی اور نہیں ان کے صاحب زادے ہیں اور ان کا نام بھی اردو کے اس شیدائی نے میر انیس کے نام
پر رکھا تھا، اور یہ ان کے تمام جذبوں، آرزوؤں اور خوابوں کی تعبیر مجسم ہیں، "غریق شعر وسخن" کے
عنوان سے انہوں نے اپنے والد مرحوم پر جو تحریر سپرد قلم کی ہے، اب لکھنؤ کے اہل زبان بھی شاید
اس سے بہتر نہ لکھ سکیں، انہوں نے اپنے والد کے سوانح لکھ کر اور ان کے معاصرین کے بارے
میں ان کی تحریروں کو جمع کر کے ایک سعادت مند فرزند ہونے کے علاوہ ایک بہترین انشا پرداز سے
بھی روشناس کرایا، ان کے والد کی غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست دیکھنے کے بعد اب ان کے مطبوع
ہونے کی آرزو فطری ہے، خدا کرے کہ یہ جلد پوری بھی ہو۔

اشاریہ سہ ماہی نیا دور کراچی: از جناب مصباح العثمان، متوسط تقطیع، عمدہ
کاغذ وطباعت، صفحات ۲۲۸، قیمت ۲۰۰، پتہ: بزم تخلیق ادب BTA، پوسٹ
بکس نمبر ۱۷۶۶۷، کراچی، پاکستان۔

پاکستان کے نمایاں ادبی رسالوں میں ایک نام نیا دور کراچی کا بھی ہے، مشہور محقق اور
ادیب جناب جمیل جالبی نے اس رسالے کو ۵۵ء میں اس وقت شروع کیا جب اسی نام کا ایک اور
رسالہ ۵۰ء میں بند ہو چکا تھا، یہ نقش ثانی بھی ۱۹۹۳ء میں مٹ گیا لیکن قریب تینتالیس سالوں میں
اس نے اردو ادب کی بعض حیثیتوں سے مثلاً مغربی ادب کے مختلف رجحانات اور اردو افسانہ نگاری
کے متعلق قابل قدر اضافے کیے، بہ قول جمیل جالبی" تنقیدی مضامین، تبصرے اور جدید شاعری

س کے مضمون نگاروں کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندو پاک
عاون اس رسالہ کو مسلسل حاصل رہا، ایسے اہم رسالہ کے اشاریے
ردو کے اہم رسالوں کے اشاریوں کا چلن ہے، یہ اشاریہ اس میں
علق کہا گیا کہ یہ پہلا ادبی پرچہ تھا جو اپنے لکھنے والوں کو معاوضہ
ریہ کے آخر میں خود اشاریہ کا اشاریہ ہے اور یہ اپنی نوعیت کا پہلا
ر ہیں۔

شیخ عبدالمجید زندانی، مترجم جناب محمد سمعان خلیفہ بھٹکلی
غذ وطباعت، صفحات ۳۲۶، قیمت ۹۰ روپے، پتہ: مکتبہ
مارکیٹ، ندوہ روڈ، ٹیگور مارگ، لکھنؤ نمبر-۲۰۔

انی کے بارے میں کہا گیا کہ وہ عہد حاضر کے ایک داعی، عالم اور
میں ان کی جاں فشانی اور قربانی کا ذکر بھی ہوتا ہے، ان کی عربی
ں کی طرح مقبولیت حاصل ہوئی، انہوں نے ایمان کی حقیقت
ں سے اس کے تعلق پر عہد حاضر کے ذہن کو سامنے رکھ کر واقعی
اور ایمان کے منافی چیزوں میں یہ رنگ اور نکھر کر سامنے آیا ہے،
تحریریں خطرناک جہالتیں اور تنزل وپس ماندگی کے عنوان سے
کا واحد راستہ کے عنوان سے ہے جس میں بڑے درد کے ساتھ
انشاۃ ثانیہ کا سبب بن سکتی ہیں، ان کا ظہور اسی وقت ہوگا جب
ہے، اس کے مترجم ایک ہونہار نوجوان ہیں، اردو ان کی مادری
م نہیں، اس کے لئے وہ خاص طور پر ستائش کے لائق ہیں۔

ناب علی مختار مختار مبارک پوری، متوسط تقطیع، کاغذ و
۶۴، ہدیہ: حضرات محمدؐ وآل محمدؐ پر درود، پتہ: علی مختار
ی بستی، مبارک پور، اعظم گڈھ۔

کے اس مجموعہ کے متعلق سرورق پر تحریر ہے کہ یہ غم انگیز نوحے،

سلام، مرثیے اور مثنوی پر مشتمل ہیں لیکن زیادہ حصہ نوحوں کا ہے جو رثائی شاعری میں مرثیوں سے بعض اوصاف کی بنا پر جدا ہیں، جیسے منظر نگاری سے زیادہ غم واندوہ کے جذبات اس میں نمایاں کیے جاتے ہیں، پھر یہ نوحے افراد کربلا کی بے بسی اور آہ وزاری کے بیان تک محدود نہیں، دوسرے اہل بیت کی رحلت وشہادت پر بھی دردانگیز جذبات کا اظہار ہے، ہزاروں اشعار کا یہ مجموعہ شاعر کے احساسات الم ہی کا نہیں، ان کی پرگوئی اور کہنہ مشقی کا بھی ثبوت ہے، بچپن سے ان کو شاعری کا شوق رہا، مبارک پور میں سوز خوانی اور مرثیہ خوانی کا ماحول اچھا خاصا تھا، وہاں کی بعض انجمنیں اپنی نوحہ و سلام خوانی کے لئے مشہور ہیں، خاندانی ماحول نے بھی شاعر کی فکر کو بال وپر عطا کیے اور اس کا نتیجہ پیش نظر مجموعہ کلام کی شکل میں ہے، مولانا قمر الزماں مبارک پوری نے تفصیل سے ان کی شاعری کا جائزہ لیا ہے، ان کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ "ان نوحوں میں عشق اہل بیت اور خاندانِ نبوتؐ سے عقیدت کی ایسی تڑپ پائی جاتی ہے جو بغیر قلبی تعلق کے پیدا نہیں ہوسکتی" اس کے علاوہ ان نوحوں میں تصنع اور تکلف پسندی سے شعوری احتراز ملتا ہے جس سے اثر میں اضافہ ہی ہوا ہے۔

چہرہ چہرہ روشن: مرتب ڈاکٹر راہی فدائی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات ۱۱۲، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، دہلی، علی گڑھ، ممبئی۔

ٹامل ناڈو کے جناب علیم صبا نویدی کی ہمہ جہت ادبی شخصیت سے شاید ہی اردو کا کوئی طالب علم اب ناواقف ہو، تحقیق، سخن گوئی اور افسانہ نگاری میں انہوں نے اپنی تحریروں بلکہ کتابوں کا انبار لگا دیا ہے، جنوب ہند کی تامل زمین پر انہوں نے اردو کے چمن کو جس طرح روش در روش آراستہ کیا ہے اس کا اعتراف ہر حق شناس کو ہے، زیر نظر کتاب میں ان کے چند ایسے تبصرے ہیں جو خاص آندھرا پردیش کے مصنفوں اور ان کی کتابوں پر کیے گئے ہیں، راج بہادر گوڑ سے فہیم احمد تک قریب اٹھائیس اہل قلم کی کتابوں پر یہ تبصرے دل چسپ اور تبصرہ نگار کے تنقیدی ذوق کا آئینہ ہیں، ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید کے ایک شعری مجموعہ پر ایک جملہ اس طرح ہے کہ "آپ کی غزل نکھرتی، بولتی، مچلتی، لہکتی، ڈولتی اور گنگناتی آگے بڑھ رہی ہے" مجموعی طور پر یہ مجموعہ کتابوں کے شائقین کو پسند آئے گا، اس پیش کش کے لئے لائق مرتب شکریے کے مستحق ہیں، کتابت البتہ معیاری نہیں اور قیمت تو بہت زیادہ ہے۔

یں: از جناب مولانا محمد شعیب کوٹی قاسمی، صفحات ۸۲، قیمت
ٹی کمپیوٹر ڈویژن، گراؤنڈ فلور: ۳، کامیٹ بلڈنگ، گرونانک
درہ تالاب، باندرہ (ویسٹ) ممبئی۔

مجموعہ احادیث سے ماخوذ دعاؤں کا یہ انتخاب، دعاؤں کے بے شمار
فہ ہے لیکن اس کی انفرادیت اس کے فاضل مرتب کے حسن انتخاب
جمہ اور ان کے حواشی وفوائد کی وجہ سے ہے، کتابت کی غلطیاں البتہ
ی تصحیح ضروری ہے۔

ۃ: از مولانا عبدالغفار مئوی، قیمت درج نہیں، پتہ: مرکز
علمیہ، مرقاۃ العلوم، پوسٹ بکس نمبر-۱، مئو، یوپی۔

مسائل پر محدث شہیر مولانا حبیب الرحمان اعظمی کے استاذ کا جامع

کی نمائندہ انجمنیں: از پروفیسر کبریا صدیقی، قیمت درج
منزل، سبزی باغ، پٹنہ، نمبر-۴۔

ۃ اور موشحات سے مجر اور رمزیہ جیسے ادبی رجحانوں اور بعض جدید
کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

وی اختلافات: از مولانا اخلاق حسین قاسمی، قیمت درج
صدیقی، ۱۵۳۴، گلی قاسم جان بلی ماران، دہلی، نمبر-۶۔

رسالے میں ہندوستان کے دو بڑے طبقوں کے اختلاف کو صرف
اصول میں کوئی وجہ نزاع نہیں، ملت کے اتحاد کی فکر اور دردمندی

۔

مولانا محمد غیاث الاسلام رحمانی، قیمت ۲۰ روپے، پتہ: میسکو
شن فاؤنڈیشن، دارالشفا، حیدرآباد۔

زیر، آسان ناظرہ خوانی کے لئے ایک اور مفید تجربہ۔

ع-ص

تصانیف مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم

۱۔اسوۂ صحابہ (حصہ اول): اس میں صحابہ کرامؓ کے عقائد، عبادات واخلاق ومعاشرت کی تصویر پیش کی گئی ہے قیمت: ۶۰/روپے

۲۔اسوۂ صحابہ (حصہ دوم): اس میں صحابہ کرامؓ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل دی گئی ہے۔ قیمت: ۸۰/روپے

۳۔اسوۂ صحابیاتؓ: اس میں صحابیاتؓ کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کو یک جا کردیا گیا ہے۔ قیمت: ۲۵/روپے

۴۔سیرت عمر بن عبدالعزیز: اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مفصل سوانح اور ان کے تجدیدی کارناموں کا ذکر ہے۔ قیمت: ۶۰/روپے

۵۔امام رازیؒ: امام فخرالدین رازیؒ کے حالات زندگی اور ان کے نظریات وخیالات کی مفصل تشریح کی گئی ہے۔ قیمت: ۹۰/روپے

۶۔حکمائے اسلام (حصہ اول): اس میں یونانی فلسفہ کے مآخذ، مسلمانوں میں علوم عقلیہ کی اشاعت اور پانچویں صدی تک کے اکابر حکمائے اسلام کے حالات، علمی خدمات اور فلسفیانہ نظریات کی تفصیل ہے۔ قیمت: ۱۵۰/روپے

۷۔حکمائے اسلام (حصہ دوم): متوسطین ومتاخرین حکمائے اسلام کے حالات پر مشتمل ہے قیمت: ۴۰/روپے

۸۔شعرالہند (حصہ اول): قدما سے دور جدید تک کی اردو شاعری کے تغیر کی تفصیل اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ قیمت: ۸۰/روپے

۹۔شعرالہند (حصہ دوم): اردو شاعری کی تمام اصناف غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی وادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے۔ قیمت: ۷۵/روپے

۱۰۔تاریخ فقہ اسلامی: تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔ قیمت: ۱۲۵/روپے

۱۱۔انقلاب الامم: سرتطورالامم کا انشاپردازانہ ترجمہ قیمت: ۵۵/روپے

۱۲۔مقالات عبدالسلام: مولانا مرحوم کے ادبی وتنقیدی مضامین کا ترجمہ قیمت: ۶۰/روپے

۱۳۔اقبال کامل: ڈاکٹر اقبال کی مفصل سوانح اور ان کے فلسفیانہ وشاعرانہ کارناموں کی تفصیل کی گئی ہے۔ قیمت: